وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

مقالاتِ سیرت

پانچویں قومی سیرت کانفرنس

۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ
۱۹، ۲۰ جنوری ۱۹۸۱ء

شعبۂ تحقیق و مراجع
وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان
اسلام آباد

ترتیب :

پروفیسر امتیاز احمد سعید

ڈاکٹر سید مطلوب حسین

ناشر: وزارت مذہبی امور، اسلام آباد

مطبع : ادارۂ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد

فہرست مضامین

مقالات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"بے شک تمہارے لئے رسول اللہ میں
بہترین نمونہ ہے۔"

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروزش انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیٔ موسیٰؑ، جاں نوازیٔ مسیحؑ، سب اسی لئے تھا کہ یہ متاعِ گراں ان شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبحِ جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے۔ اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے، عزت و اجلال ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

(علامہ شبلی نعمانی از سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۷۰-۱۷۱)

قومی سیرت کانفرنس

کے

مقاصد

۱۔ حضور ختم المرسلین و افضل النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنا، جن کی بدولت بنی نوع انسان کو کفر کی ظلمت سے نجات اور ہدایت کی روشنی سے تمتع نصیب ہوا۔

۲۔ عہد جدید کے انسان کی مدد کرنا تاکہ وہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے کردار و سیرت کی تشکیل کر سکے اور عہد حاضر کے مسائل کا حل تلاش کر سکے۔

۳۔ نوجوان دانشوروں اور محققوں میں اسلام کی صحیح روح بیدار کرنا تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی پیغام کو نہایت مؤثر اور مناسب طور سے دنیا میں پھیلا سکیں۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ عالمگیر آفاقی قدروں مثلاً اخوت، عدل اور احسان کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی سوانح اور سیرت طیبہؐ کی تعلیم و تحقیق کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۵۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لاعلمی پر مبنی غلط فہمیوں اور تعصبات کو دور کرنے کے لئے مناسب و مؤثر طریق کار وضع کرنا۔

کانفرنس کا مرکزی خیال

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں عہد حاضر کے لئے پیغام "

پیش لفظ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عالم اسلام کے علاوہ دُنیا کے تقریباً تمام ممالک اور تمام اہم زبانوں میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اگر کسی دوسری شخصیت یا دُوسرے عنوان کو موضوعِ سخن بنایا جاتا تو یقیناً اس پر مزید لکھنے کی گنجائش نہ رہتی لیکن سیرت مبارکہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ضخیم اور بسیط کتابوں کے باوجود ھل من مزید کی گنجائش رہتی ہے ، اور عاشقانِ رسولؐ نئے سے نئے انداز میں کچھ نہ کچھ سننے کے لئے ہمہ تن شوق نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو سیرت رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم میں ابدی پیغام ہے ہی لیکن آپؐ کی ذات ستودہ صفات نے زندگی کے تمام گوشوں پر اپنے نقوش اتنے گہرے چھوڑے ہیں کہ کہ آپؐ کی شخصیت ہر دور کے انسان کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ آج کی مادی دُنیا میں انسان جتنے بھی مسائل سے دو چار ہے۔ اُن کے لئے سیرت رسُول مقبُول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر ایک اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ سیرتِ طیبہ کی نشر و اشاعت کے لئے بھرپور کوشش کرے۔

اس مبارک مشن کو سامنے رکھتے ہوئے وزارت مذہبی امور ہر سال باقاعدگی کے ساتھ بارہ ربیع الاوّل کے روزِ سعید قومی سطح پر سیرت کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے۔ جس کا آغاز ۱۹۷۶ء میں پہلی بین الاقوامی سیرت کانگریس سے ہوا۔

ان اجتماعات میں قومی اور بین الاقوامی شخصیت کے حامل علماء، مشائخ اور دانشور حضرات کو اظہارِ خیال کی دعوت دی جاتی ہے جو محدود وقت میں سیرت کا پیغام ملّت اسلامیہ تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۲ - ۱۳ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ کو وزارت مذہبی امور کے زیرِ اہتمام اسلام آباد میں پانچویں قومی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس کا افتتاح صدرِ محترم جنرل محمد ضیاء الحق نے قومی اسمبلی

ہال اسلام آباد میں کیا۔ اس کانفرنس میں تقریباً پانچ سو مہمانوں نے شرکت کی جن میں کئی اسلامی حکومتوں کے سفراء، وفاقی وزراء، اعلیٰ حکام، معززین شہر، مشائخ عظام، علمائے کرام اور دانشوران اعلام شامل تھے۔ صدر گرامی کے افتتاحی کلمات کے بعد ملک کے ممتاز دانشور جناب ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، چیئرمین دائرہ اُردو معارف علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اپنا فاضلانہ کلیدی خطبہ پیش کیا۔

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات سیرت کے تین اجلاس منعقد ہوئے جن میں سے پہلا اجلاس جناب جسٹس صلاح الدین احمد چیئرمین فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد کی زیر صدارت اسی شام تین بجے کے قریب شروع ہوا۔ اس اجلاس میں تقریباً دس مقالے پڑھے گئے اور سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ چند ایک کے علاوہ تقریباً سبھی مقررین نے کانفرنس کے موضوع کے تحت سیرت طیبہ اور عصر حاضر کے کسی نہ کسی عنوان پر سیر حاصل بحث کی۔

مقالات سیرت کا دُوسرا اجلاس ۲۰ر جنوری صبح ۹ بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت جناب جسٹس شمیم حسین قادری چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ نے کی۔ یہ اجلاس ۱۱ بجے مختصر وقفے کے بعد تقریباً ایک بجے تک جاری رہا۔ جس میں مندوبین کرام کے علاوہ اسلام آباد کالج کی طالبات نے بھی شرکت فرمائی۔

مقالات سیرت کا آخری اجلاس شام تین بجے شروع ہوا، جو عصر اور مغرب کی نمازوں کے وقفوں کے ساتھ شام آٹھ بجے تک جاری رہا۔ اجلاس کی صدارت جناب جسٹس کریم اللہ درّانی رکن فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد نے کی۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ مقررین کانفرنس کے علاوہ بعض مشائخ عظام اور علمائے کرام نے بھی حاضرین محفل کو خطاب کیا۔ اجلاس کے آخر میں ایوان کی طرف سے بعض تجاویز بھی پیش کی گئیں جو حکومت کے زیر غور ہیں۔

آج کے دور میں انسان کے پاس اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے مطالعہ کے لئے بہت کم وقت بچتا ہے، جس میں سیرت رسولؐ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کا ضخیم کتب سیرت کی

طرف رجوع کرنا اور ان سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے وزارت مذہبی امور کی یہ کوشش رہتی ہے کہ قومی سیرت کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کو ترتیب دیکر ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ سیرت کا قاری تھوڑے وقت میں متعلقہ مسئلے کے بارے میں مختلف موضوعات پر علماء و دانشوران کرام کے خیالات سے مستفید ہو سکے۔

اس سال کانفرنس کا مرکزی موضوع "سیرت رسولؐ میں عصر حاضر کے لئے پیغام" تھا۔ زیر مطالعہ کتاب میں اس کانفرنس میں پڑھے جانے والے مختلف مقالات کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ جس مقصد کے تحت وزارت مذہبی امور ان مقالات کی اشاعت کا اہتمام کر رہی ہے وہ انشاء اللہ کافی حد تک اس کتاب کے مطالعہ سے پُورا ہو سکے گا۔

عرفان احمد امتیازی

سیکرٹری

وزارت مذہبی امور۔ اسلام آباد

۱۲۔ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ

۱۹۔ جنوری ۱۹۸۱ء

خطبہ استقبالیہ

(جناب محمود اے ہارون، وفاقی وزیر مذہبی امور)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صدر محترم، مہمانانِ گرامی، معزز خواتین و حضرات! السلام علیکم

سب سے پہلے میں اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ مَیں نہ تو عالم دین ہوں، نہ ہی مفکر اسلام اور نہ ہی مجھے اس بات کا دعویٰ ہے کہ مَیں دینی علوم میں بہت زیادہ دسترس رکھتا ہوں۔ مَیں جو کچھ عرض کروں گا وہ محض عشقِ رسولؐ کے جذبے سے اور حصولِ ثواب کی غرض سے۔ اس لئے اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو میں اُس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی چاہوں گا اور آپ بھی ازراہِ نوازش درگزر کیجیے گا۔

جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ ہم یہاں پر اُس عظیم شخصیت کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جن کے لئے ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے۔ مَیں اس محفل میں آپ سب کا خیر مقدم کرتا ہوں اور صدر محترم کا رسمی شکریہ ادا کرنے سے گریز کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلم مملکت کے سربراہ کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ ایسی مجالس میں حاضری دے اور دُنیا پر اس بات کو روشن کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کا تابع ہے اور تجدید عہد کرے کہ وہ احکامِ خدا اور سنتِ رسولؐ کا پابند رہے گا۔ نیز یہ کہ یہ کانفرنس صدر پاکستان ہی کے ایما سے منعقد کی گئی ہے جس میں تمام حاضرین اپنی شمولیت کو باعث سعادت سمجھتے ہیں اور آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اُنہیں یہ موقع فراہم کیا۔

ہم مسلمانوں کے لئے بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ دو اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ ایک اسلئے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نُور بھیجا جس کی آمد سے

زندگی کی ظلمت اُجالوں میں بدل گئی۔ انسان ظلم و طغیان کے بھنور سے نکل کر ایک پُر امن ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اِس کے ساتھ ہی نویدِ اُمید، خوشحالی، فارغ البالی اور مسرت و شادمانی کے چشمے پھوٹنے لگے اور انسانیت کو پہلی بار اخوت و مساوات اور عدل و انصاف کی اقدار سے آگاہی ہوئی جس کے نتیجے میں شاہ و گدا امیر و فقیر، آجر و مزدور اور زندگی کے دیگر شعبوں سے متعلق افراد قانون کی نظر میں برابر قرار پائے۔ نیز اِس کا روز مرہ کی زندگی کے تمام شعبوں میں عملی مظاہرہ کرنے سے انسانیت اپنی معراج کو پہنچی جس کی ایک جھلک آج بھی اسلامی معاشرہ میں نظر آتی ہے۔ اِس دن کی دوسری اہمیت اس وجہ سے ہے کہ آپ ایک مثالی اور قابلِ تقلید اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے بعد اسی روز اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

صدرِ محترم!

بارہ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کے موقعے پر آپ نے اِسلامی حدود کے نفاذ کا اعلان کر کے عملی زندگی میں جہاد کی طرف قوم کو متوجہ کیا جس کا مطلب گفتار کی سیاست چھوڑ کر عمل و کردار کی ایسی زندگی اختیار کرنا تھا جو اسلامی نظریۂ حیات سے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عملی زندگی سے مطابقت رکھتی ہو۔ الحمد للہ۔

ہم آپ کی رہنمائی میں عملی زندگی اور جہاد کی راہوں پر گامزن ہو رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم اسلامی احکام کی پابندی کر کے اُس عظیم مقصد کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کے لئے پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ کیونکہ قیامِ پاکستان کا مقصد یہی تھا کہ ہم برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ خِطۂ زمین حاصل کر کے اس میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کریں، اُس کے احکام کے مطابق زندگی گزاریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ایک ایسا مثالی معاشرہ پیدا کریں جس میں نئے سرے سے اسلامی کردار، تہذیب و ثقافت اور احکامِ الٰہی کی بالادستی ہو۔

خواتین و حضرات!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بے شمار پہلو ہیں لیکن اُن سب میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ آپؐ نے ہر دَور میں ظلم و ستم اور آفات و مصائب کے خلاف زندگی بھر جہاد جاری رکھا حتیٰ کہ جب آپ نے مدینہ منورہ میں ایک نئی مملکت کے

سربراہ کا منصب سنبھالا تب بھی آپ نے جہادِ زندگی جاری رکھا۔

صدرِ محترم!

بعض غیر مسلم دانشور لفظِ جہاد سے یُونہی چڑتے ہیں حالانکہ اس کا مطلب جدوجہد کرنا ہے اور یہ جدوجہد زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ لیکن اگر معاشرے میں اسلامی اقدار پامال ہو رہی ہوں، روایات کچلی جا رہی ہوں اور امر و نواہی کا تصور مٹایا جا رہا ہو تو ان سب کے تحفظ کے لئے جہاد بالسیف سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع پر ہی طاقت کے اظہار کا حکم دیا ہے۔

معزز سامعین!

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں اسلام کے پانچ ارکان ہیں جنہیں دین کے ستون کہا جاتا ہے۔ لیکن ان ستونوں کی حیثیت ثانوی رہ جاتی ہے جب تک اُن پر عمارت تعمیر نہ کی جائے۔ ان بنیادی ستونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی اور اُس کے جملہ نقش و نگار اور خط و خال اپنے قول و فعل اور عظمتِ کردار سے واضح کئے اور اس عمارت کے مکینوں کو ایسی بنیادی اقدار و روایات فراہم کیں جن کے ذریعے انسان کو پہلی بار یہ شعور ملا کہ وُہ کائنات میں اشرف المخلوقات ہے۔ یہ شرف و سعادت اور عُہدہ و منصب رنگ نسل کی بُنیاد پر نہیں۔ بلکہ تقویٰ اور نیکی کی بُنیاد پر ہے۔

آج اقوامِ متحدہ کا ادارہ اس بات پر نازاں ہے کہ اُس نے انسانی حقوق کا منشور پہلی بار پیش کیا ہے اور ایک عالمی برادری کی تشکیل میں کوشاں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن بنیادوں پر اقوام متحدہ نے یہ منشور تعمیر کیا ہے وُہ اُس منشور سے مستعار ہیں جس کا اعلان اللہ تعالےٰ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حجۃ الوداع کے موقعے پر کرایا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ اُس کا عملی مظاہرہ حضورؐ نے خود اور اپنے صحابہ سے کرا کے ایک عالمگیر برادری کی بنیاد رکھی تھی۔

خواتین و حضرات!

ہم اُسی منشورِ انسانیت کے امین ہیں۔ اس لئے ہم پر فرض عاید ہوتا ہے کہ ہم اِس کا عملی نفاذ جہاد سمجھ کر اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں کریں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ

صدرِ محترم کی قیادت میں اس جہاد کا آغاز ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ثمرات اور برکات سے نوازے۔ آمین

ان گزارشات کے بعد میں آپ سے رخصت چاہتا ہوں اور صدر محترم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کانفرنس کا افتتاح فرمائیں۔

افتتاحی خطاب

جناب جنرل محمد ضیاء الحق، صدر پاکستان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔

جناب وزیر مذہبی امور محمود اے ہارون صاحب، علماء کرام، مشائخ عظام، حاضرین کرام دانشوران اسلام ۔ السلام علیکم ۔

تاریخ عالم کا سب سے عظیم واقعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولود مسعود ہے۔ عالم تقویم میں صحیح دن وہ ہے جس دن آپؐ عالم وجود میں آئے اور محافل و مجالس میں سب سے اہم تقریب وہ ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو۔ اس لحاظ سے میری اور ہم سب کی یہ سعادت ہے کہ ہم آج یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آج عید میلاد النبیؐ کے موقع پر یہاں جمع ہوتے ہیں تاکہ اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اس محسن عالم کا کچھ ذکر کر سکیں۔ ان کی زندگی سے کچھ مستفید ہو سکیں اور اپنے لئے ایک ایسے لائحہ عمل کا انتظام کریں جس کا کہ ذکر آج نہیں آج سے کئی سو سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور جو اس عالم اسلام کی نہیں بلکہ دنیا کے لئے آخری وقت تک کے لئے نہایت موزوں اور نہایت مثبت ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ حضرات کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔

یہ اس ہستی کا ذکر میں کر رہا ہوں جو دین اسلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس دنیا میں وجود میں لائے جنہوں نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ، اکثر و بیشتر تو نہیں کہنا چاہیئے، تمام حصہ اس دین کو سمجھانے کے لئے عملی طور پر اور علمی طور پر صرف کر دیا۔

آج مجھے اور آپ کو یہ سعادت ہے کہ ہم اپنے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ چھوٹے موٹے الفاظ میں، ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان کی زندگی کے واقعات سے کچھ سبق حاصل کریں،

اپنی زندگیاں اس طرح استوار کریں کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بننے کے قابل ہو جائیں۔ میں آپ حضرات کا شکر گزار ہوں۔ خاص طور پر علماء اور مشائخ کا جنہوں نے یہ تکلیف گوارا کی کہ اس محفل میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب دے۔ لیکن میں آپ کا شکر گزار اس لئے ہوں کہ پاکستان میں اکثر و بیشتر علماء اور مشائخ ان دنوں میں اپنی اپنی محفلیں اور مجالس خود منعقد کرتے ہیں، اور ان کو اپنے قریبی سمجھ لیجئے۔ ان کو شاگرد سمجھ لیجئے یا اُن کو مرید کہہ لیجئے آپ۔ وہ سب ان دنوں میں ان کے ارشادات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ اس آج کی محفل سے نہ صرف اس تقریب میں شریک ہونے والے حضرات مستفید ہو سکیں گے بلکہ پاکستان ریڈیو، ٹیلیویژن اور اخبارات سے، جو آپ آج فرمائیں گے اُسے پورا پاکستان سُنے گا، دیکھے گا اور پڑھے گا۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی اس حاضری سے پوری قوم، پورا ملک اور ملک کے باہر کے لوگ اُس سے مستفید ہو سکیں گے۔

اس کانفرنس کی یہ خصوصیت اپنی جگہ بہت اہم ہے اور وہ سیرت رسُولِ مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے وقف ہے۔ لیکن اس کا یہ پہلو بھی اپنی جگہ قابلِ توجہ ہے کہ یہ تقریب نئی صدی ہجری کی پہلی عید میلاد النبی ہے۔ یہ دن ایسی صدی میں طلوع ہُوا ہے۔ جس میں ہم نے نفاذِ اسلام کا مکمل اور پختہ تہیہ کر رکھا ہے اور اسے ہم قومی اور بین الاقوامی سطح پر احیاءِ اسلام اور نفاذِ اسلام کی صدی کہتے ہیں۔ لہٰذا اس سال ۱۲ ربیع الاوّل کی دوہری اہمیت ہے۔ جناب محمود اے ہارون صاحب نے اس کانفرنس کا مقصد رسُول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنا جو اپنی جگہ بہت بڑی سعادت ہے۔ میرے خیال میں نذرانہ پیش کرنے کے دو طریقے ہیں اور دونوں ہی اپنانے چاہئیں۔ ایک طریقے کی جھلک تو آپ نے کچھ دیکھی۔ قرآن کریم کی آیات کی تلاوت سُنی منصور تابش صاحب کی نہایت پرجوش نعت سنی اور اس نعت کے سننے کے بعد اس کا جو اثر مجھ پر ہُوا یا جو میں نے دیکھا ہے اس سے یہ نظر آتا ہے کہ جس رسُولِ مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صرف تعریف سے ہی انسان کا دل ہل جائے۔ اگر اس کی حیاتِ طیبہ کا پُورا پُورا جائزہ لے کر اس پر عمل کیا جائے تو ہم پر اس کا کیا اثر ہوگا۔

مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے گا کہ ہم گنہگار بندے اس کے بنائے

ہوئے اصولوں پر عمل کر سکیں گے۔ دوسرا طریقہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اس والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ ذرا غیر جذباتی طریقے سے اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ اس بزرگ و برتر ہستی نے زیست کا راستہ جو ہمیں دکھایا ہے ہم اس پر کہاں تک کاربند ہیں ہماری زبانی عقیدت اور خاتی عمل میں کوئی فرق تو نہیں ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو اسے کس طرح سے دور کر سکتے ہیں تاکہ ہم ان کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے ان کی خوشنودی اور اپنی نجات حاصل کر سکیں۔

حاضرین کرام! اسوہ حسنہ ایک ایسا وسیع و بلیغ موضوع ہے جس پر ہزاروں کتابیں اور اور لاکھوں تقریریں موجود ہیں۔ خود آپ حضرات اس مبارک موضوع کی جزئیات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے میں اس موضوع کی گہرائی میں جانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے اپنی کم علمی کا احساس ہے اور اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس عظیم الشان موضوع سے انصاف نہیں کر سکوں گا۔ لہٰذا میں اس کے صرف چند بنیادی نکات کی تشریح کروں گا اور باقی پہلو آپ پر چھوڑوں گا تاکہ آپ اس سے پورا پورا انصاف کر سکیں۔ میں نے نفاذ شریعت کے بارے میں جتنی بھی قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے ان میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ نفاذ اسلام کے لئے ہمارے پاس بنیادی اصول ہیں۔ ہمیں اسلامی اقدار کا علم ہے۔ ہمیں اپنی منزل کا احساس ہے لیکن عملی زندگی میں دنیا کے کسی خطے میں نفاذ اسلام کی ایسی مثال نہیں ملتی جس کو ہم ایک ماڈل سمجھ کر اپنا سکیں۔ کہیں اسلام کا ایک پہلو کارفرما ہے اور کہیں دوسرا۔ کہیں اس کا نظام عدل برقرار ہے تو کہیں نظام معیشت پر۔ لیکن ایسا لائحہ عمل سامنے نہیں آیا جسے اپنا کر صحیح اسلامی معاشرہ قائم کیا جا سکے۔ یہ توضیح اپنی جگہ درست ہے لیکن اس کا حل بھی موجود ہے۔ اگر قرآن بنیادی اصول متعین کرتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ان اصولوں کی عملی تفسیر پیش کرتی ہے۔ اگر اسلام میں بنیادی اقدار کی نشاندہی کی گئی ہے تو حیات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان اقدار کا عملی اظہار ہے۔ اگر فرمان الٰہی نے حیات انسانی کا ایک آئیڈیل متعین کیا ہے تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال اس آئیڈیل کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتے ہیں۔ قرآن پاک کے بعض بنیادی پہلوؤں پر پوری وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے لیکن زندگی کے بیشتر

پہلوؤں کے بارے میں صرف رہنما اصول بتائے گئے ہیں مثلاً حقوق اللہ اور حقوق العباد۔

اسلامی معاشرے میں نظام عدل اور نظام معیشت کے خدوخال موجود ہیں لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی رہنمائی ملتی ہے۔ یہاں تک کہ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور گفتگو کرنے، لین دین کرنے، سماجی اور معاشرتی تعلقات کے تمام آداب روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ میں جو نقطہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں اولاً قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور جہاں کہیں کسی مسئلے پر واضح فیصلہ نظر نہ آئے تو ہمیں اس کے لئے حیات طیبہ کی ورق گردانی کرنی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ ضرور بصیرت نصیب ہوگی۔ انشاءاللہ دیگر مذاہب کی نسبت ہم پر جہاں اور بہت سی نعمتیں نچھاور کی گئی ہیں وہاں ایک نعمت یہ بھی ہے کہ نہ صرف ہماری الہامی کتاب کا ایک ایک لفظ پوری صحت کے ساتھ موجود ہے بلکہ حیات طیبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تفصیلات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ یعنی ہمارے نبیؐ کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کا ذکر خدانخواستہ ضعیف قسم کے قصّے یا کہانیوں میں ملتا ہو بلکہ یہ ایسا حقیقی نمونہ ہے جس کی زندگی کے تمام پہلو کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں۔ اس میں قیاس آرائی اور قیافہ شناسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکمل اور حقیقت پسندانہ طرز زندگی کا نمونہ ہے۔

اس بات کے سلسلہ میں مَیں یہاں ایک ذاتی تجربہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی جذبات کا ذکر نہیں ہے۔ صرف ایک اپنا تاثر آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں ابھی چند غیر ملکی اسلامی ملکوں کے دورے سے واپس لوٹا ہوں اور اس دوران مجھے استنبول میں ایک ایسے عجائب گھر میں جانے کا اتفاق ہوا جس میں دیگر نوادرات کے علاوہ رسول پاکؐ کے تبرکات بھی موجود ہیں۔ وہاں ان کا صحیح دندان مبارک، ان کی ریش مبارک کے بال اور ان کے جسم مبارک پر پہننے والا جبّہ۔ مَیں نے ان تبرکات کو نہ صرف دیکھا بلکہ جبّہ مبارک کو اپنے ہاتھ سے چھُوا بھی اور اسے بوسہ دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اس تجربے سے گزرتے وقت مجھ پر کیا گزری اس کا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس فانی دنیا میں یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے جو کہ ایک مسلمان کو نصیب ہو سکتی ہے۔ میں اس تجربے کے حوالے سے جو بات واضح کرنا چاہتا

ہوں ... یہ ہے کہ رسولِ پاکؐ کی عملی زندگی کے تمام اجزا حتیٰ کہ ان کے جسمِ مبارک سے تعلق رکھنے والی اشیاء آج بھی صحیح وسالم موجود ہیں۔ ان کی زندگی ایک باعمل فرد کی زندگی ہے۔ ان کی زندگی ایک حقیقی شخص کی عملی زندگی ہے، کسی راہب یا تارک دنیا کی زندگی نہیں۔

اس پہلو پر زور دینے کی وجہ اس تاثر کو بھی بتانا ہے کہ خدانخواستہ ہمارے نبی کوئی مافوق البشر شخصیت تھے جن کی تقلید ایک بشر کے بس کی بات نہیں۔ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو نبوت عطا فرمائی اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگ جان سکیں کہ جس شخص کو یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے۔ وہ ان ہی میں سے ہے۔ وہ عبداللہ کا بیٹا ہے، عبدالمطلب کا پوتا ہے، وہ مکہ کا رہنے والا ہے اور قریش خاندان کا چشم وچراغ ہے جس نے ان کی آنکھوں کے سامنے پرورش پائی ہے اور ان کے دیکھتے دیکھتے جوانی کے مراحل طے کئے ہیں اور ان کے سامنے نجی اور عوامی زندگی گزاری ہے۔ گویا انہوں نے ثابت کر دیا کہ گناہوں سے مکمل طور پر پاک زندگی گزارنا ممکن بھی ہے اور احسن بھی ہے۔ رسولِ پاک نے قرآن پاک کے ایک ایک لفظ اور اس کی رُوح کے مطابق زندگی گزار کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم ایک انسان سے جس پاک اور ارفع معیار کی توقع کرتا ہے وہ کوئی ناقابل حصول معیار نہیں ہے۔ اس کی عملی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں خلوص نیت سے اس کی تقلید کرنی چاہیئے اور جہاں جہاں ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے اس سے معافی مانگنی چاہیئے۔

حیاتِ طیبہؐ کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے میں یہ بھی واضح کر دیتا ہوں کہ اسلام میں نجی اور عوامی یا پبلک اور پرائیویٹ زندگی کو دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹا نہیں جا سکتا۔ انسانی زندگی ایک کل ہے جس کے کئی اجزاء تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ آپ اس کے بعض پہلو تو اسلام کے مُطابق گزار دیں اور بعض کے متعلق یہ موقف اختیار کریں کہ یہ میرا پرائیویٹ معاملہ ہے جس میں کسی شخص یا مملکت کو دخل دینے کی اجازت نہیں۔ خود رسول پاک کی زندگی ہمارے سامنے ہے جس کے نجی اور عوامی یا پبلک اور پرائیویٹ طرز حیات میں کوئی فرق نہیں۔ نعوذ باللہ کوئی مسلم یا غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول پاک پبلک کے سامنے تو یہ رویہ اختیار کرتے تھے لیکن نجی زندگی میں صورت حال مختلف تھی۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر پہلو کو خواہ وہ عوام کی نظروں کے سامنے ہو یا اوجھل، خواہ اس کا تعلق ہماری پرائیویٹ زندگی

سے ہو یا پبلک لائف سے اسلام کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں کیونکہ خود رسول اکرمؐ نے اپنی زندگی میں یہی مثال قائم کی ہے۔

حاضرین کرام! رسول مقبولؐ کے نقش قدم پر چل کر اپنی اپنی زندگیوں کو سدھارنا ہمارا انفرادی عمل ہے جس کے لئے کسی قسم کے بیرونی عوامل کی ضرورت نہیں اور اگر ہم یہ کام از خود کر لیں تو ہم با آسانی اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی منزل حاصل کر سکتے ہیں لیکن مجھے اس بات کا احساس ہے کہ دور حاضر میں بعض پہلو ایسے بھی ہیں جن سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی وابستہ ہے مثلاً نظام عدل و نظام معیشت وغیرہ۔ موجودہ حکومت انفرادی اصلاح کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان اجتماعی پہلوؤں کو بھی اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا دو سال پہلے ۱۲ ربیع الاوّل کے مبارک موقع پر اس سفر کا آغاز کیا گیا۔ اس عرصہ میں ہم کہاں تک آگے بڑھے ہیں اور ہمیں اپنی منزل حاصل کرنے کے لئے ابھی کتنا کام اور کرنا ہے۔ اس کا آپ کو بخوبی علم ہے۔ اس سلسلہ میں اب تک جو اقدام کئے گئے ہیں ان کا میں سرسری سا جائزہ ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی چیز ہم نے شرعی حدود کے لئے قانون شریعت کے مطابق اعلانات کئے ہیں۔ ان حدود کے تحت خصوصی عدالتوں کا قیام وجود میں آچکا ہے اور مقدمات کی سماعت جاری ہے۔ نظام زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عملاً جاری ہو چکا ہے اس کے تحت کروڑوں روپے یتیموں، بیواؤں اور دوسرے حاجت مندوں میں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ یہ عمل بھی جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ یہاں میں اس چیز کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری یہ کوشش ہے کہ جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق، احکامات قرآن کے مطابق ہر رکن دین پر کام کیا جائے وہاں میری علماء اور مشائخ حضرات سے یہ بھی درخواست ہے کہ میرا اور آپ کا بھی مجھے معلوم ہے یہ اب تہیہ ہے کہ جہاں ہم ایک غریب کو اس کا حق دلانے کی کوشش کرتے ہیں، جہاں ہم ایک صاحب نصاب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی زکوٰۃ نکالیں وہاں مجھے اور آپ کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم اس معاشرے میں بھکاری نہیں بنانا چاہتے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ معاشرہ ہماری قوم ہماری ملت خود ہر حالت میں، ہر معنی میں اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس نظام زکوٰۃ کے ذریعے سے اسلامی اصولوں کے مطابق ہم کیسے ادارے قائم کر سکتے ہیں جن کی بنا پر ایک حقدار کو ایک غریب کو ایک مسکین کو اس کا وہ حق ملے جو مجھے اور آپ کو اس تک پہنچانا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں آپ کی طرف سے مجھے رہنمائی حاصل ہوگی۔ وفاقی شرعی عدالت کام کر رہی ہے جو نہ صرف حدود کے تحت چلنے والے مقدمات کی اپیل سننے کی مجاز ہے بلکہ کسی بھی مروجہ قانون کو غیر شرعی قرار دے سکتی ہے شرعی قوانین نافذ کرنے اور نفاذ شریعت کے عمل کو تیز تر کرنے کے لئے ملک میں پہلی مرتبہ اسلامیہ یونیورسٹی قائم کی گئی ہے تاکہ مناسب افراد کو تربیت دی جا سکے اور جہاں کوئی کمی رہ گئی ہو اسے دور کیا جا سکے۔ یہ آراء اور تجاویز اسلامی نظریاتی کونسل کو وصول ہو چکی ہیں۔ انہیں جلد انشاء اللہ آخری شکل دے دی جائے گی۔ شدید مشکلات کے باوجود سود کی لعنت سے بتدریج نجات حاصل کرنے کے لئے کئی اقدامات کئے جا چکے ہیں۔ جن کا آپ کو علم ہے۔ جیسے اور بعض ادارے اب سود کی بجائے شراکت کی بناء پر کاروبار کر رہے ہیں۔ اس سال یکم جنوری سے تمام بنکوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بلا سودی کاروبار کے علیحدہ کاؤنٹر بھی کھولے جا چکے ہیں۔ نظام عدل اور نظام معیشت کے علاوہ دیگر شعبوں کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے کئی قدم اٹھائے گئے ہیں۔ مثلاً نظام تعلیم کو نظریہ اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے نئی تعلیمی پالیسی وضع کی گئی ہے جس کے تحت سلیبس اور دوسری کتابوں پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ میں آپ کو یہاں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ نظام تعلیم میں اسلام کا ایک اہم حصہ ہے اور ہم نے جو نئے احکامات جاری کئے ہیں جن پر عمل شروع ہو چکا ہے اور انشاء اللہ ہوگا۔ وہ یہ ہے، کہ ڈگری کی کلاس تک یعنی بی۔ ایس سی کے آخری سال تک پاکستان مضامین پر اور اسلامی تعلیم کے لئے ہر جماعت میں خصوصی انتظام ہوگا۔ اور ہم نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جب تک طالب علم ان دو مضامین میں پاس نہیں ہوگا خواہ اس نے کتنے اعلیٰ سے اعلیٰ نمبر حاصل کئے ہوں اس کو کامیاب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ابلاغ عامہ کے ذرائع خاص طور پر ریڈیو اور ٹی۔ وی کو تبلیغ اسلام کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض پروگرام اب بھی روح اسلام سے منافی ہیں لیکن ان دونوں ذرائع کا رخ یقیناً میرے خیال میں قبلہ رو ہو چکا ہے اور اب ان کا سفر صحیح سمت جا رہا ہے۔ یہاں میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ ان بنیادی اور ٹھوس اقدامات کے باوجود ابھی ہماری منزل بہت دور ہے۔ ہمیں صرف یہ اطمینان ہے کہ اس سمت میں پہل کرنے کی سعادت ہمیں

ضرور نصیب ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ ہمیں اگر کسی بات پر بھروسہ یا اعتماد ہے تو وہ ہمارا خلوص ہے۔
مجھے یقین ہے کہ جو کام بھی خلوص نیت سے کیا جائے اس میں اللہ تعالےٰ
کامیابی عطا فرماتے ہیں ورنہ جہاں تیس برس یونہی گزر گئے وہاں دو تین سال کا عرصہ اور بھی گزر سکتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ عوام کی دلی خواہش ہے کہ جس نظریہ حیات کی بنیاد پر یہ ملک قائم کیا گیا ہے اسے عملی زندگی میں بھی نافذ کیا جائے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ لوگوں کی رہنمائی اور عوام کا یہی تعاون ہمیں اس منزل پر لے آیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے یہی ہتھیار ہمیں اس میدان میں مکمل فتح بھی نصیب کریں گے۔ آمین

حاضرین کرام آج اس عظیم اور برتر ہستی کا یوم پیدائش ہے جس نے بنی نوع انسان کو سب سے مثبت اور سب سے عظیم انقلاب سے روشناس کرایا۔ جس نے صحیح اور صحت مند اقدار سے اس کرہ ارضی کو آشنا کیا جس نے ایک نئے طرز حیات کی بنیاد رکھی اور خود اس طرز زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس عملی نمونے کی طرف ہمیں ایک جائزہ ضرور لینا ہے۔ اس جائزہ کے اندر میری آپ سے ایک اپیل بھی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمیں اجتماعی طور پر بہت سے کام کرنے ہیں۔ وہاں انفرادی طور پر جب تک ہم آگے قدم نہیں بڑھائیں گے۔ معاشرے کے اندر تبدیلی نہیں آسکتی۔ میں اور آپ اسلام کے پانچ ارکان کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ حضرات کو یہ بھی علم ہے کہ آپ بھی نماز پڑھتے ہیں، میں بھی نماز پڑھتا ہوں لیکن جس چیز کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ علمائے کرام اور مشائخ کرام ہیں لوگ آپ کی بات پر یقین کرتے ہیں۔ آپ پر اعتبار کرتے ہیں آپ کی رہنمائی میں نہ صرف وہ زندگی بلکہ ہر شعبہ زندگی میں آپ کی رہنمائی چاہتے ہیں۔ میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ آپ اس عمل کو جس کی طرف مجھے معلوم ہے کہ آپ ضرور گامزن ہیں لیکن انفرادی طور پر آپ معاشرے میں تبدیلی لانے کی کوشش کیجئے۔ وہ اس طریقے سے کہ آپ جہاں اپنے وعظ میں اپنی نصیحتوں میں اور بہت سی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہاں نماز کا بھی ضرور ذکر کریں۔ زکوٰۃ کا ذکر کیجئے۔ وہاں آپ اپنے مریدوں سے اپنے شاگردوں سے، اپنے عقیدت مندوں سے یہ ذکر کریں کہ زکوٰۃ دیں۔ وہاں ان سے یہ ذکر کریں کہ اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دیں۔ جہاں آپ کے سامنے آپ کے دوسرے عزیز عقیدت مند آتے ہیں، وہاں آپ یہ کہئے۔ کہ طالب علم کو استاد

کی عزت کرنی چاہیئے ۔ وہاں آپ یہ بھی ذکر کریں کہ بچوں کو ماں باپ کی عزت کرنی چاہیئے وہاں آپ اس چیز کا بھی ذکر کریں کہ اساتذہ کو اساتذہ کی طرح رہنا چاہیئے ۔ انہیں بچوں کو صحیح معنوں میں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہیئے ۔

مَیں یہاں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کے اندر اسلام کے لئے بہت بڑا جذبہ ہے اور یہ اس جذبہ ہی کی بدولت ہے اور اس جذبے کی بدولت مَیں اور آپ اس قابل ہوئے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاوّل کو ایک قومی سطح کے اوپر سیرت النبیؐ کا جلسہ منعقد ہو رہا ہے اس سلسلے میں آج پاکستان کے کونے کونے میں ہمیں معلوم ہے کہ سیرت النبیؐ کے جلسے قائم ہوں گے ۔ جلوس نکلیں گے ۔ لیکن جس چیز کی طرف میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں اور آپ کو یہ چاہیئے کہ ہم ہر شخص کو یہ بتائیں کہ جب تک وہ اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں اسلامی اقدار میں نہیں ڈھالیگا اس وقت تک ترقی کے وہ زینے ہم طے نہیں کر سکیں گے ۔ جس جلدی سے ۔ سرعت سے ، ہم انہیں طے کرنا چاہتے ہیں ۔ میں یہاں ملک کا ذکر کر رہا تھا میں ملک کے باہر بھی لوگوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں آپ یقین جانئے کہ میں نے جو جذبہ اسلام پاکستان کے باشندوں میں جو کہ پاکستان کے باہر رہ رہے ہیں اسقدر دیکھا ہے اس قدر بہترین طریقے سے دیکھا ہے کہ وہ قابلِ تحسین ہے ۔ لوگوں نے اسلام کے متعلق اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں ۔ پاکستان کے باہر ، پاکستان کے شہری مدرسے بنانے میں مشغول ہیں ۔ تاکہ وہاں ان کی تعلیم کے انتظامات کئے جائیں اور اس تعلیم کے اندر تعلیم اسلام سب سے اوّلین صف پر ہو ان کا جذبہ ، وہ قابلِ تعریف ہے قابلِ تحسین ہے ۔

مجھے امید ہے کہ پاکستان میں جو عوامل کارفرما ہیں ہم اُنہیں اور تیز کریں گے تاکہ پاکستان سے باہر رہنے والے پاکستانی کچھ ہم سے کچھ باہر سے ایسا عکس لیں جس سے کہ صحیح معنوں میں ہم اپنے آپ کو پاکستانی مسلمان ظاہری نہیں بلکہ صحیح معنوں میں سمجھا بھی سکیں ۔

اس سلسلے میں مَیں یہاں آپ کی توجہ ایک دو چیزوں کی طرف دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ اسلام کے نفاذ کے لئے تین چار چیزوں کی سخت ضرورت ہے ۔ ان نکات کی طرف ہماری صرف توجہ ہی نہیں ہے بلکہ ہم نے کچھ کام بھی کئے ہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ ہمیں وہ ترقی حاصل نہیں ہوئی جو ہم چاہتے ہیں ۔ ہم ابھی اس منزل سے بہت دُور ہیں جس کی طرف ہمیں بڑھنا چاہیئے ۔ سب سے اوّلین مسئلہ

جو ہے وہ معاشرے سے غلط قسم کی چیزوں کو انفرادی سطح پر دور کرنا ہے۔ آج میں اس چیز کو تسلیم کرتا ہوں کہ حکومت، انتظامیہ اور تقریباً ہر شعبے میں وہ غیر اسلامی اقدار موجود ہیں جو کہ اسلامی مملکت میں نہیں ہونی چاہئیں۔ کیا ہمارے ہاں آج رشوت ستانی ختم ہو گئی ہے یہ یا اور زیادہ ہے؟ اگر رشوت ستانی ہے تو آپ میرا گریبان ضرور پکڑ سکتے ہیں کہ آپ نے ان کو پھانسی پر کیوں نہیں لٹکایا لیکن میری آپ سے یہ عرض ہے اور میں یہ ہمیشہ سے کہتا چلا آیا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کیا تالی ایک ہاتھ سے بجتی ہے یا دونوں ہاتھوں سے۔ رشوت لینے والا اس وقت رشوت لیتا ہے جب کوئی رشوت دینے والا موجود ہو۔ اور رشوت دینے والا اس وقت رشوت دیتا ہے جب اس کا کام کسی اور طریقے سے نہ نکلے۔ ہم اُس رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے اپنے آپ کو کہتے ہیں لیکن ہم اپنے ذاتی کام کروانے کے لئے رشوت دیتے ہیں!۔ اگر ہم میں سے آج ۵ فیصد لوگ یہ تہیہ کر لیں کہ ہمیں اپنا کام صحیح طریقے سے کرنا ہے اور صحیح طریقے سے کروانا ہے تو مجھے اُمید ہے کہ معاشرے میں ۵ فیصد نہیں بلکہ دس فیصد خرابیوں کا صفایا ہو جائے گا۔

کیا آپ حضرات میں سے کوئی صاحب ایسے ہیں جن کے ساتھ یہ واقعات پیش آئے ہیں۔ اور انہوں نے کوشش کی ہو کہ وہ اپنے تجربات کسی اعلیٰ افسر، کسی اعلیٰ معلم یا کسی اعلیٰ عالم کے ذریعے حکومت تک پہنچائیں یا مجھ تک پہنچائیں۔ مَیں یہ سُنتا ہوں کہ معاشرے میں بہت سے چیزیں غلط ہو رہی ہیں۔ مجھے خود اس بات کا علم ہے لیکن جہاں ہم معاشرے کو بتدریج صحیح کرنا چاہتے ہیں وہاں مجھے ایک چیز کا فخر ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان میں جس روز سے ہمیں خدمات انجام دینے کا موقع ملا ہے۔ ہم نے ایک اصُول اپنایا ہے کہ جس شخص کے ساتھ بھی کوئی کارروائی ہو وہ اصولاً ہو اور انصاف پر مبنی ہو۔ مَیں سنے سنائے الفاظ سے لوگوں کو پھانسی نہیں دے سکتا۔ مَیں سُنے سُنائے الفاظ سے لوگوں کو جیل نہیں بھجوا سکتا کیونکہ انصاف اور اسلامی اصُول کا یہ تقاضہ ہے کہ جس شخص پر آپ کو شک ہو یا جس شخص پر آپ کوئی تہمت لگائیں تو اسے اس کو ثابت کرنے کا موقع دیا جائے۔ اور انصاف کرنے والا اس کو پورے مواقع مہیا کرے۔ کیا ایسے واقعات ہمارے موجودہ انصاف کے ذریعے رو پذیر ہو سکتے ہیں اگر نہیں ہو سکتے تو دُوسرا عمل جس کی طرف ہمیں توجہ دینی ہے وہ ہمارا طریقہ انصاف ہے۔

ہم نے گزشتہ دنوں ایک چھوٹا سا کام کیا جس کے ذریعے ہائی کورٹ کے کچھ بنچوں کو مختلف مقامات پر مقرر کیا گیا تاکہ موجودہ طریقہ کار کے مطابق لوگوں کو انصاف ان کے گھروں کے اندر نصیب ہو اور اگر گھروں کے اندر نہیں تو کم ازکم راولپنڈی کے رہنے والے لوگوں کو راولپنڈی ہی میں انصاف ملے۔ انہیں انصاف کے حصول کے لئے لاہور یا کراچی یا کہیں اور نہ دوڑنا پڑے۔ لیکن آج بعض ایسے عوامل ہیں جو اس کی مذمت کر رہے ہیں۔ میں یہاں کسی خاص فرقے یا گروہ کی طرف توجہ نہیں دلانا چاہتا۔ میں آپ کی توجہ طریقہ انصاف کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ نے لاہور کی کچہری دیکھی ہے۔ میں نے بھی دیکھی ہے۔ آپ نے راولپنڈی کی کچہری دیکھی ہوگی۔ ہم نے بھی دیکھی ہے۔ کیا وہاں پر طریقہ انصاف وہی ہے جو اسلامی مملکت میں ہونا چاہیئے؟ کیا آج آپ اس قابل ہیں کہ اگر میں کل یہ کہوں کہ یہاں اسلامی طریقہ انصاف ہونا چاہیئے تو کیا آپ اس کا ڈھانچہ اور طریقہ کار بتا سکتے ہیں؟ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ جہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالیں گے وہاں میں آپ سے یہ بھی توقع کروں گا کہ آپ میں سے جو اہل دانش اور اہل فکر میں آپ کی توجہ اس طرف بھی دلائی جائے جب تک کہ اس ملک میں تین چیزیں نہیں ہوں گی مجھے اُمید ہے کہ اس وقت تک معاشرہ صحیح طریقہ اختیار نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کو اتنی آزادی حاصل ہو کہ وہ صحیح معنوں میں صحیح کام کر سکے۔ ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ اپنے متعلق یا کسی دوسرے کے متعلق صحیح طریقے سے اس پر تنقید کر سکے۔ ہر شخص کو اتنا انصاف ملنا چاہیئے کہ جس وقت اس پر کوئی مقدمہ ہو یا وہ کسی واقعے میں ملوث ہو تو اس کو انصاف سالوں میں نہیں، مہینوں میں نہیں، ہفتوں نہیں دنوں میں، بلکہ گھنٹوں میں ملنا چاہیئے۔ آج ہمارے ہاں مملکت خداداد پاکستان میں آپ اخباروں میں دیکھتے ہیں۔ آپ کے پاس بھی بہت سی عرضیاں آتی ہوں گی۔ میرے پاس بھی بہت سے عرضیاں آتی ہیں۔ ہر عرضی میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ میرا بیٹا قتل ہوگیا یا میری بہن کے ساتھ ناجائز سلوک ہوا۔ ہمارے ہاں چوری ہوگئی یا ڈکیتی ہوگئی۔ میں نے انہیں کیا انصاف دیا ہے؟ طریقہ کار کے متعلق میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد آخری چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ جب تک ہر انسان امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل نہ کرے اس وقت تک آپ جتنے مرضی نعرے لگائیے۔ آپ کے دل کے اندر سے یہ

آواز نہیں آسکتی کہ آپ نے صحیح اسلامی معاشرہ قائم کیا ہے۔

میں ان تین چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میری اور میرے رفقاء کار کی آپ حضرات کے تعاون سے اور ہر پاکستانی کی دلی خواہش کے مطابق یہ کوشش ہے کہ اس مملکت کو صحیح معنوں میں ایک صحیح اسلامی آئیڈیل اور ماڈل بنایا جائے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں۔ مجھ سے یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ آیا آپ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کرائیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ضرور کرائیں گے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ آیا اسلامی مملکت کے اندر کوئی شکوک و شبہات ہیں؟ اور یہ یہاں پر اسلامی مملکت اور اسلام کے متعلق کسی کو کوئی اختلاف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اختلاف کا مجھے علم نہیں لیکن جو چیز مجھے نظر آئی ہے وہ صحیح اسلامی رخ نظر نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام ایک دفعہ یہ تہیہ کریں کہ آیا اس مملکت کو آپ اسلامی طریقے پر چلانا چاہتے ہیں یا یہ کہ آپ سیکولر طریقے پر چلانا چاہتے ہیں۔ اس چیز کو اب ختم ہونا چاہیئے اور وہ ختم ہوگئی۔ انشاء اللہ اس نوٹ پر کہ مملکت پاکستان انشاء اللہ اسلامی اقدار پر قائم رہے گی۔ اسلام کے نام پر چلے گی اور صحیح معنوں میں ایک اسلامی ماڈل بن کر دنیا کے سامنے ابھرے گی۔ میں حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کر رہا تھا۔

اس سلسلے میں آپ سے درخواست ہے کہ آئیے آج انسانیت کے نجات دہندہ کے یوم ولادت کے موقع پر یہ عہد کریں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں گے ان کی حیات طیبہ کو نشان منزل سمجھیں گے۔ اور ان کے اقوال و افعال کے مطابق زندگی بسر کریں گے مجھے یقین ہے کہ ان کی طرح کی زندگی گزارنا تو بڑی بات ہے اگر ہم ان کی خاک پا کو حرز جان بنالیں تو ہم آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پاکستان۔ زندہ باد

کلیدی خطبہ

سیرتِ نبوی کا پیغام عصرِ حاضر کے نام

(ڈاکٹر سید محمد عبداللہ - چیئرمین اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حمد رب العالمین کے بعد ہزاراں ہزار صلوٰۃ وسلام حضور کے لئے کہ مدعائے سخن وہی ہیں ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ۔۔۔ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

وہی حضور جن کے حق میں : وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی آیت نازل فرماکر خود اللہ تعالےٰ نے گویا سب سے پہلی نعت ارشاد فرمائی۔ جب حالت یہ ہے تو یہ خاکسار بے مقدار حق درود وسلام کا کیا ادا کر سکے گا۔

اس لئے اسد اللہ خان غالب کا ہمنوا ہو کر معاملہ اسی پر چھوڑتا ہوں کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم ۔۔۔ کاں ذاتِ پاک مرتبہ داں محمدؐ است

موضوع ہے " عصرِ حاضر کے نام سیرت نبویؐ کا پیغام "۔ یہ پیغام وہی ہے جو اسلام کا پیغام ہے اور یہ صرف عصرِ حاضر کے لئے نہیں بلکہ آنے والے ہر عصر اور ہر دور کے لئے ہے۔ جو رب المشارق والمغارب نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعے بھیجا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف جامع ترین شخصیت کے مالک تھے۔ ہم تو خاکِ پاک کے بھی عاشق ہیں۔ بعض غیر مسلم مفکرین نے بھی یہی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً جیسا کہ دوسروں کے علاوہ پروفیسر آر، ڈبلیو، جے، آسٹن[1] نے اپنے ایک مضمون میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:-

---

[1] فاضل مضمون نگار یونیورسٹی آف ڈرہم (یو کے) میں تقابلِ مذاہب اور تصوف کے استاد ہیں

بلکہ آپ کو خاتم النبیینؐ ہونے کے لحاظ سے جملہ علوم نبوّت بدرجہ اتم حاصل تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیق و تشریح کے مطابق جملہ علوم نبوت یا کمالات نبوّت آپ کو عطا ہوئے۔ یہ کمالات ہیں رشد و ہدایت، علم و حکمت اور تدبیر و سیاست و ملک داری، اور یہ وہ کمالات ہیں جو عطیۂ ایزدی ہیں، اکتسابی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماہرین ان کمالات کو (CHARISMA) کا نام دے کر اسے محیرّ العقول سمجھتے ہیں۔ در اصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھ اور دل مطلوب ہیں جو علم ظاہری سے نہیں نور ایمان سے منوّر ہوں۔

آج حضورؐ پر نور کا یوم ولادت با سعادت ہے۔ اس کا تقاضا ہے، نیز اس فضا کا بھی ہے جو مملکت خداداد پاکستان میں پیدا ہو چکی ہے۔ تقاضا ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات کو داخلی اور خارجی طور سے سارے عالم میں پھیلایا جائے۔ اگرچہ چودہ صدیاں گزر کر اب اسلام پندرہویں صدی میں داخل ہو چکا ہے لیکن دنیا کو (اور خود عالم اسلام کو) علوم نبوّت یعنی نبوی رشد و ہدایت، علم و حکمت تدبیر ملک داری اور نظام معاشرت و سیاست کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ظہورِ قدسی کے وقت تھی کیونکہ آپ تا قیامت بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی۔ چونکہ حضورؐ کی نظر میں دین خیر خواہی کا نام ہے (چنانچہ فرمایا: اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ) اس لئے اس خیر خواہی کے ساتھ یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ سعادتوں کو تمام عالم میں پھیلا دیا جائے جو حضورؐ کی سیرت اور اسوہ حسنہ اور تعلیم میں ہیں تاکہ دنیا راحت و اطمینان اور فلاح دارین حاصل کر سکے۔

یاد رہے کہ عصر حاضر کی ترکیب میں مغربی تہذیبی دنیا بھی شامل ہے اور سارا مشرق اور عالم اسلام بھی۔ اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغام کو دو آیتوں میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ اور باقی عالم (عامۃ الناس) کے لئے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ جہاں تک خاص مسلمانانِ عالم کا تعلق ہے ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک بنیادی پیغام دو نکتوں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہوگا کہ اے مسلمانانِ عالم متفق و متحد ہو جاؤ، تفرقہ و انتشار سے بچو۔ آیت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ بقولِ اقبال ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے تا بخاکِ کاشغر

اس وقت عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ یقیناً تشویشناک ہے۔ مسلم اقوام اپنی داخلی کوتاہیوں اور زیادہ تر درآمدی اجنبی تصورات سے مغلوب ہوکر شقاق وافتراق کی بری حالت میں ہیں جو اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً کی روح کے منافی رویّہ ہے۔ اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر مغرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے، الہٰذا قدرتی طور سے حضورؐ اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے اور یہ حسنِ اتفاق ہے کہ حال ہی میں صدر مملکت، جنہیں قدرت نے بہت سی جگہ اپنے دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا شرف بخشا ہے، بتقاضائے آیۂ کریمہ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا۔ ایران اور عراق کے مابین مصالحت کروانے کے لئے ایک اور خیر سگالی مشن انجام دے کر واپس لوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ جس طرح حضورؐ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمتِ عظمٰے ثابت ہوا تھا اور آپؐ کی امت دیکھتے دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی، آج بھی نعمتِ اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن امکانات رکھتی ہے، بلاشبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے مگر پندرھویں صدی حکمِ قرآنی کی رُو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں۔ اور ان رشتوں کے تابع وسائلِ مادی کی عقلی تنظیم کرکے خود کو ایک بنیانِ مرصوص بنالیں۔

دوسرا نکتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کا یہ ہوگا کہ اے مسلمانانِ عالم اپنے اصلی نصب العین یعنی دعوتِ حق کو فراموش نہ کرو اور موعظہ حسنہ اسلام کو آج کے دور میں آج کی زبان اور آج کے محاورے میں پیش کرو اور حکمتِ تسخیرِ کائنات سے بہرہ مند ہو جاؤ۔ دُوسروں کی ٹکنالوجی سے مرعوب ہوکر نہیں بلکہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے علاوہ ایمان و یقین، اعمال صالحہ اور یوم آخرت کے ایقان سے مستحکم ہوکر، اس اصول پر آگے بڑھو جس کا درس سیرتِ نبوی میں ملتا ہے۔ وہ درس خدا کے ارشاد ؛ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا میں ہے۔

یہ تو رہا سادہ سا پیغام حضورؐ انور کی طرف سے مسلمانانِ عالم کے نام جس کی تفصیلات قرآنِ مجید میں الگ الگ بھی ہیں اور یکجا بھی جنہیں مصری فاضل محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمدؐ میں یکجا جمع کر دیا ہے (دیکھئے مذکورہ کتاب کا صفحہ ۵۳۴ - ۵۳۵) یہ گویا ایک منشورِ انسانیت ہے جو مسلمانوں کے علاوہ سارے عالم کے لئے بھی ہے ۔ اس میں سب نیکیاں جمع ہیں اور اسلام عبارت اسی عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر سے ہے اس میں حقوق اللہ ، حقوق العباد اور دیگر اکثر معاشرتی تلقینات موجود ہیں جو زندگی میں پاکیزگی ، توسط حسنِ معاملہ اور ثروت القلوب پیدا کرتی ہیں اور معاشرے کو اس بے آہنگی سے بچاتی ہیں جو مغربی دنیا میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے مگر اس کا ذکر آگے آئے گا (حضورؐ کے دوسرے معاشرتی و اخلاقی احکام کے لئے یکجا دیکھئے مولانا بدر عالم کی کتاب ترجمان السنّۃ جلد دوم و سوم)

حضرات ہمارے موضوع کا عنوان تقاضا کرتا ہے کہ حضورؐ کی سیرت پاک کے حوالے سے عصر حاضر (یعنی مغرب) کے فکری و معاشرتی احوال پر بھی کچھ گفتگو کی جائے اور یہ بتایا جائے ، کہ حضورؐ کی تعلیمات سے مغرب کس طرح مستفید ہو سکتا ہے ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی تک پہنچ چکا ہے لیکن عظیم الشان ترقیات کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے وہاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں ، ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصورات کسی خاص قسم کے عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں اور انہیں واقعی کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے ، جس سے ان کے معاشرے کا توازن بحال ہو جائے اور ہمارا یقین یہ ہے کہ وہ پیغام رحمت حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تعلیمات (قرآن مجید اور سیرت نبویہؐ) میں موجود ہے ۔ رحمت سے مراد کیا ہے ؟ اس لفظ کا مادہ رحم (ر ح م) ہے اور رحیم ، رحمان بھی مفسرین اور عام عرب زبان شناسوں کے نزدیک اسی مادے سے ہیں "رحم مادر" کی ترکیب کے حوالے سے اس کے مفہوم میں بہت سے جذباتِ محبت و تربیت آگئے ہیں ۔ اس کے معنی محبت ، شفقت ، نرمی اور عفو و درگزر ہیں لیکن درحقیقت یہ اس کے محدود معنی ہیں ۔ رحمت بہت وسیع لفظ ہے جو خداوند تعالٰی نے اپنے لئے بھی اور حضورؐ کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے ۔ غور و تدبر سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ اس لفظ میں جملہ

پدرانہ اور مادرانہ معلمانہ اور مربیانہ محبتیں اور شفقتیں جمع ہیں جن کا مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مختصراً رحمت شواہد ربوبیت کا مظہر اور سرمایۂ بہجت وسعادت بھی ہے اور فرد اور معاشرہ کے جملہ دکھوں کی دوا بھی، اس میں تسلی اور مداوائے غم بھی ہے مگر مربیانہ تربیت اور معلمانہ بشارت کے ساتھ انذار بغرض اصلاح بھی ہے۔ بہرحال رحمت کا غالب عنصر وہ سلوک ہے جس سے قلب انسانی دکھ سے نجات پاکر اطمینان حاصل کر سکے بلکہ اس سے بڑھ کر قلوب میں شادابی کی کیفیت پیدا ہو جائے، جو یک گونہ توانائی اور نشو ونما کی صلاحیت کی بھی ضامن ہو۔ لہٰذا حضورؐ کے پیغام میں یہ سب باتیں موجود ہیں جن کا ذکر ہوا۔

"رحمۃ للعالمینؐ" کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوم (صفحہ ۹۲ و بعد) میں حضورؐ کی سیرت طیبہ سے حضورؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے ۴۴ سوانحی نمایاں شواہد پیش کئے ہیں جن میں آپؐ نے ان سب غیر معمولی شفقتوں اور بے نظیر مہربانیوں کا تذکرہ لیا ہے جو خدائے تعالیٰ کے آخری پیغمبرؐ نے کیں۔ اور ان سے ان سب کمالات نبوت (رشد و ہدایت اور خیر خواہیٔ عام) کا ثبوت ملتا ہے جن کا اس سے قبل ذکر آ چکا ہے۔ چند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ آپؐ وہی تھے کہ آپؐ نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ پر عمل کیا اور کرایا۔ آپؐ نے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا پر عمل کیا اور کرایا۔ آپؐ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا فَاذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ان مثالوں کے علاوہ حضورؐ کی جملہ تعلیمات میں تسلی، آسودگی، عدل اور رواداری جیسے شواہد رحمت پائے جاتے ہیں۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں ناقابل یقین کمال تک پہنچ چکا ہے تو اس صورت میں مغرب کو کسی بیرونی پیغام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دعویٰ مغرب کے اکثر مفکر کرتے بھی ہیں لیکن خود مغربی ادب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان سب مذکورہ ترقیات کے باوجود مغرب قلبی اطمینان سے محروم ہے اور امریکہ و یورپ کے معاشروں میں کجروی اور بے یقینی کے بحران بھی پیدا ہو گئے ہیں جو پریشانیوں کا موجب ہیں۔ اس لئے پیغام اور رہنمائی کی ضرورت واضح ہے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مغرب کی یہ پریشانیاں کیا ہیں (جن سے ان کے اپنے مصنفوں کے بیان کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جا سکتا) تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مغرب کی بڑی اور مرکزی پریشانیاں دو ہیں جو باقی سب پر محیط ہیں:۔

اوّل خوف یعنی کسی خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف اور اس کے ہمراہ وسائل زندگی کا ندریجی طور پر کم ہو کر ختم ہو جانے کا اندیشہ۔

دوم قحطِ الفت و رفاقت و محبت جو کربِ تنہائی اور خود بیزاری (ALIENATION) پر منتج ہو رہا ہے اور بقولِ غالب ؎

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے اسدؔ پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

اب ان دونوں خوفوں کے اسباب کیا ہیں؟

ٹوائن بی نے مغربی انتشارِ قلبی کی صرف دو علامتوں کا ذکر کر کے بات ختم کر دی ہے کہ مغرب کی صرف دو بڑی کمزوریاں ہیں۔ ایک RACIAL DISCRIMINATION اور دوسری ALCOHOLISM اور شپنگلر نے تو اپنی دَوری (CYCLIC) فلسفۂ اقوام سے زوالِ مغرب کی اصل بیماری کا ذکر گول ہی کر دیا ہے لیکن بات اتنی ہی نہیں۔ یہ کہانی طویل ہے۔ علامہ اقبال کہہ گئے ہیں ؎

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری عجب آنست کہ بیمارِ تو بیمار تر است

دراصل مغربی بیماری کا آغاز اس تصورِ زندگی سے ہوا کہ دین اور دنیا دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ رفتہ رفتہ مادی فلسفوں کی بدولت ماورائی روحانی سب سلسلوں کا انکار ہوتا گیا۔ ڈیکارت نے ہر وسیلۂ علم، زندگی کو مسترد کر کے جزا و سزا اور عقبیٰ اور رحمت کے چھپے ہوئے جملہ وسائل سے انسان کو مایوس و محروم کر دیا۔

اور اب آخری نقطۂ نظر ہے AUTONOMY OF MAN اور خواہشات نفس کی بے روک تسکین۔ یہ دراصل انسان کا غرورِ نفس ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:۔ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ قدرت نے مغرب کو ایک نعمت سے نوازا تھا جس کا نام سائنس ہے لیکن اس نے سائنس کو بے محور فلسفہ بنا کر اپنی خدائی کے دعوے شروع کر دیئے اور کہا کہ مذہب اور دین کی ضرورت نہیں کیونکہ سائنس ہر شے کے لئے کافی ہے۔ (فاضل محمد قطب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ خرابی کی انتہا یوں ہوئی کہ مغرب کے فلسفیوں نے سائنس کو MYTH بنا دیا (دیکھئے ان کا مضمون در کتاب THE CHALLENGE OF ISLAM مرتبہ الطاف گوہر صفحہ ۳۱۴، جہاں ڈارون، فرائیڈ اور مارکس کے خیالات کا تجزیہ کیا گیا ہے)

بہر حال جب تجربے سے ثابت ہُوا کہ سائنس پر حق تو ہے لیکن صرف جزوی حقیقتوں کا ادراک کر سکتی ہے یعنی کلی حقیقت کا نہیں (جس کا احاطہ مذہب ہی کر سکتا ہے) تو اس تجربے سے آہستہ آہستہ ضمیر دار اہلِ فکر کو محسوس ہُوا کہ انسان ایک نہایت ہی وسیع دنیا ہے اس کے داخلی قلبی دکھوں کا علاج سائنس کے پاس نہیں تو مایوسی پھیلنے لگی۔ جان و تن کی تفریق بڑھتی گئی اور دل پژمردہ ہوتے گئے۔ اب قریب ہو کر آپ دلوں کو ٹٹولیں گے تو اکثر مغربی لوگ اندر سے دکھی نظر آئیں گے (چنانچہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۰ء کا مغربی ادب اسی کرب و اضطراب کا آئینہ دار ہے) معاشرتی اور تخلیقی ادب کے آئینے میں یہ تصویر دیکھنی ہو تو ہارورڈ کے پروفیسر T.W. BELL کی کتاب CULTURAL CONTRADICTIONS OF CAPITALISM تھیا بالڈ کی کتاب BEYOND DESPAIR اور MAGEE کی کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND کے اوراق پر نظر ڈالئے اور خود دیکھ لیجئے کہ پریشانی، کجروی اور تخریبی احساس کس خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔

غرض مغرب یا عصرِ حاضر کے دو بڑے بحران یہی ہیں اوّل خوفِ جنگ اور اندیشۂ قحط سالی۔ دوم کرب تنہائی اور خاتمۂ محبت و رفاقت۔ یہ سب مادی فلسفوں کے نتائج ہیں جن میں خُدا کا سہارا ختم کر دیا گیا اور تن کی خواہشات کی تسکین اور عیشِ امروز ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا۔ ایمان باللہ اور ایمانیات سے انکار، دین اور دنیا کی جدائی مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنیادی پیغام مغرب (عصرِ حاضر) کے نام عَودِ الی الایمان (RETURN TO FAITH) ہے۔

ایمان (FAITH) کی اس ضرورت کا احساس دوسری جنگِ عظیم کے فوراً بعد کی مغربی شعوریات میں بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوتا گیا تھا۔ جس کا ظہور کئی شکلوں میں ہُوا ہے اس کے علمبردار پال ٹلش (PAUL TILLICH) جیسے مغربی مفکر بھی ہیں اور داخلیت کے فلسفی بیوبر (BUBER) جیسے بھی ہیں۔ ایک مذہبی مفکر J.B.MAGEE نے ایک مبسوط کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND میں جدید ذہن کا شرح و بسط سے تجزیہ کر کے FAITH کو مغرب کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے اور ایک اور مصنف نے اپنے ایک مضمون IT IS TIME TO REMIND WEST کے عنوان سے یورپ کو تنبیہ کی ہے کہ تباہی سے بچنا ہے تو خُدا سے تعلق پیدا کرو۔ غرض ایمانیات کے

حق میں آمادگی پائی جاتی ہے اور حضورؐ کے پیغام کے لئے یہ وقت ہر طرح موزوں معلوم ہوتا ہے کاش عصرِ حاضر دینِ اسلام اور سیرتِ رسولِ پاک پر ٹھنڈے دل اور بے تعصبی سے نظر ڈال سکے۔

حضورؐ کی تعلیم و تلقین TOTALITY کلیت (دین اور دنیا، تن اور روح کی جامعیت) کی طرف رجعت کی دعوت میں رہی ہے تاکہ مغرب نے سخت محنت کے بعد جو مادی ترقی کی ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔

میں نے اوپر جس تفریق کا ذکر کیا ہے وہ صرف نظری معاملہ نہیں بلکہ اس کے عملی نتائج و ثمرات نے ساری دنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اسی تفریق کے تصور سے قومیت (NATIONALISM) کا تصور پیدا ہوا ہے جس نے نسلِ انسانی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اب ہر قومیت دوسری قومیت سے گرم یا سرد جنگ میں مبتلا ہے سرمایہ داری اور اشتراکی استبداد بھی اسی کے نتیجے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں شعوب و قبائل کی عصبیت اور ان کی باہمی جنگ کو (جن کی بنیاد پر آج قومیتیں اُبھر رہی ہیں) "آگ" قرار دیا گیا ہے اور الفت و رفاقت باہمی کو (بربنائے وحدت انسانی) نعمت قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی دُنیا حضورؐ کی دی ہوئی اس نعمت کی بڑی شدت سے ضرورت مند ہے۔ آیتِ قرآنی یہ ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۚ (آلِ عمران ۱۰۳)

(ترجمہ) اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر خُدا نے اپنی مہربانی سے تم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اور پھر تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے پھر خُدا نے تم کو اس سے نجات بخشی۔

اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف تن اور حواس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں ABSOLUTES کا انکار کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں۔ لہٰذا جبلتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا اسی سے وہ معاشرتی

اور انفرادی انارکی (ANARCHY) نمودار ہوئی ہے جو مغرب میں عرفانی جنس پرستی اور "اینگری ینگ" اور "بار بیرک ڈراما" جیسی کجروی کو جنم دے رہی ہے۔ اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زر اندوزی (سرمایہ داری یا تکاثر) واحد مقصدِ حیات بن گیا ہے چنانچہ اسی کے نتیجے میں استعمار و استحصال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاثر، اسراف و ترف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہوگی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط کی زندگی کو اپنانا ہوگا۔ اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہیں اقوام عالم کا ضروری معاشرتی معاشی رویہ بنانا پڑے گا مقصد یہ کہ حضورؐ کی تعلیمات کی رو سے ایک متوسط معاشی نظام ہی دنیا کے معاشی و معاشرتی مصائب کا علاج ہے۔ اسلام کے نزدیک مال و دولت یا مناسب سرمایہ کا حصول بری چیز نہیں لیکن سرمایہ داری فی الحقیقت بری ہے۔ اسی طرح انسان کی آزادیٔ معاش کو سلب کر لینا بھی مذموم ہے۔ حضورؐ کی معاشی تعلیم میانہ روی کی دعوت دیتی ہے اور مغرب کے ان دونوں دبستانوں کو حضورؐ کی دعوت پر غور کرنا چاہیئے۔

لہٰذا اسلام اور حضورؐ کی تعلیم اقتصادیات کی طرف بلاتی ہے جس میں سرمایہ داری کے وہ ہولناک مظاہر بھی نہ ہوں جو یورپ اور امریکہ میں نمودار ہوئے ہیں اور اجتماعی پیداوار کے نام سے فرد کی آزادی اور اس کی محنت کا جس طرح استحصال کیا جا رہا ہے وہ بھی نہ ہو۔

اس کے لئے حضورؐ کے قائم کردہ نظام کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے، اس پر یقیناً ایک عادلانہ عالمگیر معاشی نظام تیار کیا جا سکتا ہے جس میں ہر کوئی خوش دلی سے کمائے اور بانٹ کر کھائے میرا خیال ہے کہ مغربی مفکرین نے اسلام کے خاندانی نظام کا بغور مطالعہ نہیں کیا ورنہ یہ محبت و تعاون کے علاوہ معاشی کفالت عمومی کی ایک عملی صورت ہے۔ اس کے علاوہ مغرب اگر اسلامی شورائی اصول کی روشنی میں اپنی جمہوریت کا بھی تجزیہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اقتدار کی پسند یا تفوق پر یا عقل پر ہونی چاہیئے۔ اکثریت کا اصول طفل تسلی سے کم نہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا مطالعہ یقیناً زیادہ عملی اور منصفانہ نتائج پیدا کرے گا۔

اسلام کا ایک اہم عقیدہ وحدت نسل انسانی ہے۔ آیت :۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (۴ النساء۱)

حضورؐ کی تعلیم اسی عظیم تصوّر پر زور دیتی ہے اور اس معاشرتی اشتراک کی قائل ہے جس میں کوئی غیر مسلم معاشرہ بھی مشترک اصولوں پر مسلمانوں سے تعاون کرتے پر قبول کیا جا سکتا ہے۔

اس کا ثبوت میثاقِ مدینہ ہے۔ (جس کے ذریعے آپؐ نے یہودیوں کے ساتھ شہریت میں اشتراک کیا) اس کے علاوہ آپ نے معاصرہ سلاطین کے نام جو مکاتیب لکھے ان میں کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کے اصول کو دہرایا۔

آپؐ نے قرآن مجید کی مشہور آیت کریمہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ کے مضمون کے مطابق انسان کی اکرمیّت کی بنیاد تقویٰ اور شرافتوں کو بنایا اور خطبہ حجۃ الوداع میں توصاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی احمر کو اسود پر ترجیح حاصل نہیں۔ صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہر کوئی شخص افضلیت حاصل کر سکتا ہے۔ محض رنگ و نسل وغیرہ کافی نہیں۔ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان اور مصر کے غلام بھی سلاطین بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

آج کے دور میں کبھی کھلا اور کبھی کنایتہً سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دوسرے اوصاف کو وجہِ تفاخر بناتی ہیں لیکن حضورؐ کی تعلیم اس کے خلاف ہے اور آپؐ نے اپنی زندگی میں اس کے عملی ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔ اسی اصول یا عقیدے کی بنیاد پر اسلام کو (PLURALISM) جیسی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ امریکہ چاہے تو نسلی مسئلے کا حل اسلام کی تعلیم کے ذریعے کر سکتا ہے۔

وحدت نسلِ انسانی کے تصوّر کے اندر سے مغرب کے بعض مفکّر تمام عالم کی واحد ریاست کا تخیل پیش کرنے کے مدعی ہیں اور حقوقِ عامہ کے معاملے میں سبقت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور کنگ جان کے میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) کو اوّلین دستاویز حقوق اور بعد کی متعدد وحدت آفرین تجویزوں مثلاً پین یورپ، لیگ آف نیشنز اور موجودہ یونائیٹڈ نیشنز وغیرہ کا بطور مثال تذکرہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگِ بنیاد حضورؐ نے میثاقِ مدینہ کے

علاوہ خصوصی طور سے خطبہ حجۃ الوداع میں رکھا تھا۔ جن مثالوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ یا تو محدود تھیں یا ناقابلِ عمل تھیں کیونکہ ان کی بنیاد صرف مادی تھی اور وہ اس روحانی کشش سے خالی تھیں جو قلوب میں پائیدار الفت پیدا کر سکتی ہوں (کتاب UNIFICATION OF MANKIND کے آخری باب کے دلائل، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں)

بالیقین حضورؐ کی دعوت اور سیرت ہی ایک پائیدار دستور العمل ہے جو کسی واحد عالمی ریاست کے خواب کی عملی تشکیل کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ رب العالمین اور جمیع الناس کے اصول پر مبنی ہے۔

حضرات! جس دن مغرب ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کرے گا اس کے جملہ اقتصادی ہمانرتی معاشی اور تعزیراتی نظام خود بخود خداترسی، انصاف، عدل، رفاقت، مساوات اور توسّط کے اصولوں پر چلنے لگیں گے، گویا زمین پر اللہ کی حاکمیت ہو جائے گی۔

صدر گرامی قدر و خواتین و حضرات!

اس خاکسار بے مقدار نے ڈرتے ڈرتے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ میں برابر سوچتا رہا کہ اگر نوکِ سوزن کے بھی بے اعتدالی ہو گئی تو دنیا و آخرت کا خسارہ یقینی۔ آج کا دن ۱۲ ربیع الاوّل حضورؐ کے پاسِ ادب کے نیچے دبا جا رہا ہوں۔ قلم پر جو عمر بھر ایک مدرّس و معلّم کا قلم رہا ہے آج اسے بڑی مشکل سے گزرنا پڑا۔ پلکوں سے سوئیاں چننی پڑیں۔ بہرحال معذرت ہے حضرت رسالتمآبؐ سے کہ میں ذرا بھی حق ادا نہ کر سکا۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار — گل چینِ بہارِ تو ز دامانِ گلہ دار

اور آخر میں پھر حمدِ پروردگار ہے اور اس کے بعد صلوٰۃ و سلام حضورؐ پُرنور پر۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ۔

صدارتی خطاب
نشست اوّل

سیرت مصطفیؐ میں عصر حاضر کیلئے پیغام

(جناب جسٹس صلاح الدین احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان اور اعمال صالحہ قرآن پاک کے بنیادی نکات ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات قرآنی کے پیکر تھے۔ آپ نے قرآن کی اعلیٰ و پاکیزہ تعلیمات کو اپنے اعمال میں ڈھال لیا اور دُنیا کو دکھایا کہ یہ تعلیمات عالم انسانیت کے لئے قابل عمل اور فیض رساں ہیں مسلمان بالخصوص اور باقی دنیا کو بالعموم اس ذات گرامی کا احسانمند ہونا چاہیئے۔ جس نے عالم انسانیت کی یہ بے نظیر خدمت انجام دی۔

یہ پیغام دو بنیادوں پر محیط ہے۔ ایمان اور احسان اور یہی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ایمان عبادات اور قوانین کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی بنیاد ہے۔ یہ وہ سرچشمہ ہے۔ جس سے باری تعالیٰ نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبیاری فرمائی جس سے نیکی اور سلامتی کے چشمے پھوٹے۔

لوگوں نے ابتدا میں اس پیغام کو ردّ کرنے کی کوشش کی اور جناب صادق و امین کو دولت اور اقتدار کی رشوتوں سے خریدنے کی کوششیں کی اور جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھکرا دیں تو انہوں نے اپنی تمام توانائیاں انہیں ایذا پہنچانے میں صرف کرنا شروع کر دیں۔ مگر اس ذات والا صفات نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے فرمایا۔ " اللہ شاہد ہے کہ اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لاکر رکھ دیں۔ تو بھی میں اللہ کے پیغام پہنچانے سے روگردانی نہ کروں گا۔ چاہے میں اس میں ہلاک ہی ہو جاؤں"۔

اگر ہم جناب رسالت مآبؐ کی کی زندگی کا تجزیہ کریں۔ اور ان کی تعلیمات کا احاطہ کریں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ انہوں نے اپنا جسم و قلب اور اپنی تمام سعی و کوششیں وقف کر دی تھیں۔ اور اپنی اور اپنے

جاں نثاروں کی زندگیاں صرف کر دیں توحید کی بنیادی نقشبندی کو اجاگر کرنے کے لئے وہ اپنے دشمنوں سے جنگ و صلح کے ذریعے اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو علم اور تبلیغ سے اس ایک بات پر جمع ہو جانے کی دعوت دیتے رہے کہ آؤ ہم سب اس واحد خدا کی عبادت پر متفق ہو جائیں۔ ایسی عبادت جس میں کسی دوسرے کے شریک ہونے کی ہوئی گنجائش نہ ہو۔ (۶۴ : ۱۳) انہوں نے عالم انسانیت کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلایا اور پسندیدہ طریقہ اور شائستگی سے ان سے بحثیں فرمائیں (۱۲۵ : ۱۶) اور انہیں بتایا کہ خدا کی واحدانیت پر قائم نیکوکاری کے دین کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اور اس پر اس کی تمام خلقت کی یکرنگی کا انحصار ہے۔

جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔ اسی کی سلطنت ہے۔ آسمانوں اور زمین میں۔ وہی حیات دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے پہلے بھی وہی ہے۔ اور سب سے پیچھے بھی وہی، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے" (۱۳ : ۵۷) اس تعلیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فکر انسانی میں رفعت اور عقیدہ توحید جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا وہی تمام خیر و فلاح اور ادب و سعادت کا سرچشمہ بنا۔ خدا کے ایک ہونے پر ایمان کے نتیجہ سے ہی تمام نیکی و سعادت ابھرتی ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جو پیغام ربانی کی نام لیواؤں کو ایک لڑی میں منسلک کر دیتا ہے۔ اور انہیں توانائی بخشتا ہے۔ کیونکہ اس کی مثال اس ناطہ کی ہے۔ جو جسم و روح میں قائم ہے۔ کہ جونہی جسم سے روح رخصت ہو جاتی ہے اس میں ایسا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جو اسے نسیاً منسیاً کر دیتا ہے۔

مذہبی قوانین جن کے پیچھے عقیدہ کی روح نہ ہو علم قوانین کی مانند ہو جاتے ہیں جن کی پائیداری انہیں پر منحصر ہوتی ہے۔ جو انہیں قوت بخشتے ہیں اور جو ان محرکات کے محروم ہونے پر خود بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ کی قوت ہی ہوتی ہے۔ جو قوانین کو تقدس بخشتی ہے اور عام فرد کو قانون سے ایسا قلبی لگاؤ عطا کر دیتی ہے۔ کہ وہ بغیر خارجی دباؤ کے انہیں اپنی زندگی میں جاری و ساری کر دیتا ہے

اگر تمام انسان اس عقیدہ کی گہرائیوں کو اپنی ارواح میں جذب کریں۔ تو پھر ان کی راہ میں کوئی مشکل نہیں رہتی۔ نہ وہ کسی خارجی دباؤ یا قوت کا شکار ہوتے ہیں۔ اور نہ اس عقیدہ کے ماسوا کوئی اور چیز انہیں رہنمائی دے سکتی ہے۔ اس نکتہ کے روح عالم میں آنجناب کی بدولت ہی تمام دنیا میں ضمیر

کی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ ایک طریق عمل جو تمام آلائشوں سے پاک اور صمیم قلب سے عمل پذیر ہو ہو اس کا خاصہ ہیں۔ ایک مومن کو فوراً یہ احساس ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا معاملہ بلا واسطہ اس کے خدا سے متعلق ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے اعمال کے لئے صرف اپنے خدا کے حضور جواب دہ ہوتا ہے۔ اور یہ احساس اسے نہ بڑی برائی کی طرف جانے دیتا ہے اور نہ صغیرہ گناہوں کی طرف، ایمان کو جب ایسا قالب میسر آجاتا ہے۔ تو عالم انسانیت کو مرد کامل مل جاتا ہے۔

اگر کوئی معاشرہ اسی قسم کے افراد پر مشتمل ہو۔ تو وہ اپنی بقاعدگی کے لئے ہمدردی اور نیکی کا سہارا پا لیتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ "یقیناً وہ شخص مومن نہیں ہے جو دوسروں کے لئے وہ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے" اور یہ کہ "اس پر رحم کیا جائیگا جو دوسروں سے رحم سے پیش آئے گا، اور یہ کہ زمین کے رہنے والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

اور یقیناً یہ ایک مطمئن معاشرے کی خصوصیات ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس میں مضمر سچائیوں اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے قریب ہونے کی وجہ سے، عقیدہ ایمان اور قانون کے ذریعہ اصلاح کا بیڑہ اٹھایا یہاں قیادت ان لوگوں کو دی جاتی تھی جنہیں اہل ایمان احکام خداوندی کی پابندی کروانے کے قابل پاتے تھے۔"

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ دنیا میں فساد کیوں پھیل گیا ہے۔ جبکہ مسلمانوں سے تمام کرۂ ارض بھرا ہوا ہے۔ تو جواب اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یہ ہوگا۔

"ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں (۱۰۶ : ۱۲)

اور بقول جناب رسالت مآب :۔

"مومن نہیں ہے۔ یقیناً وہ مومن نہیں ہے۔ جس کی زیادتی سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں ہے اس نام کی دوسری بنیادی چیز اعمال صالحہ ہے۔ قرآن کے تقریباً ہر رکوع میں اچھے اعمال کو ایمان کا لازمہ بتایا گیا ہے۔ اسلامی شریعت تمام و کمال اسی کی شرح و بسط ہے۔ کہ کیا اچھا ہے۔ اور کیا اچھا نہیں ہے۔ یہ بالتفصیل و بالتصریح وہ تمام بنیادیں فراہم کرتی ہے جس پر ایک مسلمان کو اپنی زندگی کا چلن استوار کرنا ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات میں جو انسان کے اس کے خدا سے متعلق

یا اس کی مخلوقات سے وابستہ ہیں اور نماز، روزہ حج، زکوٰۃ اور دوسرے تمام اعمال کے ذریعہ اسے مقام عبودیت سے آشنا کرتی ہے۔ عبادت کے مناسک جو رُوح کو خلا اور جسم کو پاکیزگی بخشتے ہیں۔ اور مسلمان کی شخصیت کو ابھارنے میں ممد ہوتے ہیں۔ دراصل ایسے طریقے اور ضابطے ہیں جو فرد اور معاشرے کے تعلقات کو صحت بخشتے ہیں۔ ان میں ضبط و نظم پر جو زور ہے۔ وہ معاشرتی مساوات کو وجود میں لاتے ہیں جو ایک اخلاقی معاشرہ کے لئے لازم ہے اور اس معاشرے کے افراد کے مابین ہمدردی اور ایک دوسرے کی مدد کے جذبات استوار ہوتے ہیں۔ جو ہر قسم کے حالات میں معاشرے کی ترقی و بہبود میں معاون ہوتے رہیں۔

نیکوکاری سے اصوُل پر وری ہوتی ہے اور عبادت گزاری کے طریقے معین ہوتے ہیں ان اصول کی جڑیں ہمدردی اور بھائی چارہ میں ہوتی ہیں ترحم خاصہ خداوندی ہے مسلمان ہر چھوٹا موٹا کام اور ہر خفیف سی حرکت بھی شروع کرتے ہیں تو "اس کے نام سے جو بڑا مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے" اور آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیج کر (السلام علیکم)

آیات قرآنی واضح ثبوت ہیں کہ رحم دلی کا جذبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت دل پسند تھا۔

اگر ہمدردی کا جذبہ انسان کے دل سے مٹ جائے تو وہ خود بھی دنیا سے مٹ جاتا ہے۔ اور اگر یہ جذبہ کسی قوم میں مفقود ہو جائے وہ قوم کرہ ارض کے لئے طاؤن کی مثال بن جاتی ہے۔ رحم دلی کی جو تمام ترقی کی بنیاد ہے مسلمانوں نے تبلیغ کی اس کی حضرت موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی، درحقیقت یہ اللہ کے تمام رسُولوں اور نیک لوگوں کا پیغام تھا۔ دنیا میں کوئی قوم اس جذبے سے عاری ہو کر کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتی۔ اگر آج دنیا پر نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ جذبہ انسانوں کے دل سے اٹھ چکا ہے۔ کیا اس جذبے سے خالی ہو کر انسان انتہائی وحشتناک درندوں سے بازی نہیں لے جا چکا۔ کیا وہ لوگ جو آج اپنے آپ کو مہذب کہتے ہیں ظلم و دہشت گری میں چنگیز خان سے بازی نہیں لے گئے۔ کیا شہروں میں رہنے والی نہتی آبادیوں پر فضاؤں سے حملے شقاوت کی انتہا نہیں ہیں۔ کیا یہ سب ایک عالمگیر تباہی کا پیش خیمہ نہیں ہیں۔

اعمال صالحہ کا دوسرا اصول آخرت ہے۔ جو آج دنیا کی ضرورت بن چکا ہے! فرد و لیشنر اس کا متمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو مختلف اقوام اور خاندان بنا دیا۔ کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔ اور پورا خبردار ہے" (۴۹ : ۱۳)

اس اخوت کا پیغام اس کے رحم و ہمدردی کے پیغام کا ایک حصہ تھا۔ چونکہ اس نے یہ طے کیا تھا کہ انہی دو طریقوں سے لوگوں کے خوشحالی کے حصول میں تمام رکاوٹیں دور کی جا سکتی ہیں اور انہیں دنیا میں جنت مل سکتی ہے۔ انسان پر کرم کرنا اللہ کے ساتھ نیکی کرنے کی مترادف سمجھا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کو کسی کے کرم کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ اس عمل سے اتنا خوش ہوتا ہے۔ کہ انسانوں کے اس برتاؤ کو اپنی ذات کے ساتھ ایسا برتاؤ قرار دیتا ہے۔ یہ اصول اتنی وسعت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ تمام عالم انسانیت کو بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ یہ جذبہ جب مومن کے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ تو اللہ نے اپنی عظیم ترین رحمت یہ کہہ کر بندوں کو عطا کی" اور اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب" میں الفت ڈال دی سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے (۱۰۳ : ۳)

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمام عالم انسانیت کو ایک خدا کی پرستش اور اسے ایک خدا کے تحت ایک ملت بن جانے کا ہے۔ اخوت کے جس جذبے کی یہ پیغام تبلیغ کرتا ہے۔ وہ ایمان کا ایک جزو ہے۔ جو قوموں میں نسلوں میں، فاتحین اور مفتوحین میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ یہ اس جذبے کو اتنی وسعت دیتا ہے کہ پوری کی پوری انسانیت کو اس کے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ یہ استبداد کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور اللہ کے طریقے، حکومت اور خوش اسلوبی سے بیان کرتا ہے۔ اخوت انسانی کا نظریہ قندیل نور کی مانند ہے جو ظلم اور جنگ و جدل کی تاریکی میں امن و سلامتی کی راہ روشن کرتی ہے مومن زمین کے حصول اور لوٹ مار کے لئے یا کسی کو فتح کرنے یا لوگوں کو ذلیل کرنے کے لئے جنگ نہیں کرتا۔ یہ اگر اس پر مجبور ہوتا ہے۔ تو محض ایمان اور عقیدے کی آزادی اور اس کے تحفظ کے لئے۔

" دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے" (۲ : ۲۵۶)

سیرت کے اجتماعات اپنی افادیت رکھتے ہیں یہ ہمیں موقع فراہم کرتے ہیں کہ اپنے ہادی برحق کے

زندگی کے واقعات اور پیغام کا مطالعہ کریں۔ ہمیں ان اجتماعات کو تجدید ایمان کا ذریعہ بنا کر اپنی ذات کو نیک عمل کے لئے وقف کردینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس قابل ہونا چاہیئے۔ کہ ہم ایسے عملی پروگرام وضع کرسکیں۔ جو ہماری حیات ملی کے استحکام کا باعث اور جو نیکی کرنے کا عزم فراہم کریں۔ اور پھر ایسی قرار واد پر بھائی چارہ مودت اور شفقت کے عمل کے ساتھ ہمیں عملاً دوسرے انسان کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا مظاہرہ کرکے ایک خالق کی ایک مخلوق ہونے کا اظہار کرنا چاہیئے۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں عدل واحسان پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور اپنی زندگی کو اسی کے سانچے میں ڈھال دینا چاہیئے۔ طاقتور کو موعظت اور حکمت کے نرم اور ریشمی قرینوں سے انصاف کی راہ پر لانا چاہیئے جہاں انصاف کرنے کا تقاضا ہو۔ اور کمزور کو پورے خلوص اور ہمدردی کے ساتھ بہرہ مدد بہم پہنچانی چاہیئے جو اس کے لئے حصول انصاف میں مدد ہو۔ دونوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ منصفانہ اور خدا ترسی پر مبنی ہونا چاہیئے کہ اللہ ہی دونوں کا محافظ ہے۔

اللہ فرماتا ہے "اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسن سلوک رکھو والدین کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہارے ملک میں ہیں۔ ان کے ساتھ اور اللہ ایسے کو قطعاً دوست نہیں رکھتا جو خودنگر اور فخر کرنے والے ہیں۔ (۴ : ۳۶)

ایمان اور نیکی کی انفرادی اور اجتماعی سعی کے لئے مسجد سے بڑھ کر اور کونسا ادارہ ہوسکتا ہے جسے ہمارے معاشرے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور جس سے نور کی شعاعیں ماحول کو روشن کرسکتی ہیں۔ اور جہاں سے علم وحکمت کی روشنی پھیلائی جاسکتی ہے۔ اس ادارے کے اندر فلاح و بہبود کی راہیں کھولی جاسکتی ہیں اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ دنیا کے تمام مقامات میں مسجد اللہ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ہمیں ایک جامع منصوبہ مساجد کی افادیت اور اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی فلاح کے لئے بنانا چاہیئے۔ مگر سیرت کی مجالس صرف کلام کی حد تک محدود رہیں اور ان سے عملی نتیجہ اخذ نہ کیا جائے۔ تو یہ محض تضیع اوقات ہوں گی۔ انفرادی طور پر ہمیں آغاز کا ہر روز ایک نیک عمل کرکے اور اس ایک نیکی کے لئے میدان عمل کی تلاش میں گزارنا چاہیئے۔ ہر فرد دوسرے کو اسی کی تبلیغ کرے۔ ہر آدمی صبر و تحمل کی خو پیدا کرے اور اس کے لئے روزانہ موضوع

تلاش کرے۔ ہمارے علما اور مشائخ مساجد کا اہتمام اس طرح کریں کہ اچھائی پھیلے اور برائی کا سدباب ہو۔ تاکہ ایک روز یہ پوری امت ایک ایسے جسم کی شکل اختیار کرلے جس میں ایک ہی روح اور دل میں ایک ہی دھڑکن بستی ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

صدارتی خطاب
اختتامی نشست

سیرتِ نبوی میں عصرِ حاضر کیلئے پیغام

(جناب جسٹس کریم اللہ درانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

عزت بخاری نے کہا تھا ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اس بارگاہ جمال و کمال میں اپنا خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے جلسہ کے منتظمین کے حکم سے حاضر ہوا ہوں اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ سیرت کا اجلاس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی، ان کے ذکر و تذکار ہونے کی وجہ اب لوگوں نے بخوشی خاطر مسلسل دو روز صبح سے لے کر شام تک یہاں بیٹھ کر اس میں شمولیت فرمائی۔ یقین فرمایئے یہ اگر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجلاس نہ ہوتا تو یہ طوالت اتنی گراں بار تھی کہ بہت مشکل تھا کہ کوئی اس میں اتنے عرصے تک بیٹھ سکتا، تو حاضرین کرام اور خواتین محترم میرا یہ فرض ہے کہ آخر میں میں رسمی طور پر ان حضرات کا جنہوں نے یہاں آنے کی تکلیف کی اور اپنے افکار سے ہمیں نوازا ان کا شکریہ ادا کروں اور وہ میں ادا کروں گا آخر میں۔ البتہ اس سے پہلے میں اپنی سعادت کے لئے، اپنی فلاح کے لئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت کا کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں کتنا خاطی کتنا عاصی انسان ہوں میں جانتا ہوں کہ وہ جو عارف جامی نے کہا کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

ہزار بار عطر و گلاب سے دھونے سے بھی وہ پاکیزگی نہیں آتی کہ آپ کا ذکر کیا جائے لیکن

مصر کی اس روایتی بوڑھیا کی مانند جو کچے سوت کی انٹی لے کر جمال یوسف کی خریداری کے لئے آئی تھی میں بھی تمام عجز واحترام کے ساتھ اس بارگاہ رسالت میں اپنا خراج عقیدت پیش کرتا ہوں میرے عزیز بھائی بہنوں نے مجھ سے پہلے اس اجلاس میں سیرت پاک کے ہر پہلو پر شرح وبسط سے روشنی ڈالی مزید عرض کرونگا کہ تمام ادیان عالم کے رہنما اور ہماری مصلحین تاریخ کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو چکے ہیں۔ ان کی شخصیتوں پر، ان کے پیغامات پر، ان کے احکامات اور ان کے طریق زندگی غرض ہر چیز پہ ماضی کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے جھانکا نہیں جاسکتا لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ آپ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ ایک ایک لحظہ تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے۔ اور اس امت نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ کے اس حکم کی

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

کی پابندی کرتے ہوئے اتنا اہتمام کیا اتنی احتیاط کی کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ تمام عمر خربوزہ اس لئے نہ کھا سکے کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا حضور نے خربوزہ کھایا تھا۔ اگر کھایا تھا تو کس طریقے سے نوش فرمایا تھا۔ تو یہ محبت اور عقیدت حضور کے ایک ایک بات اور ایک ایک حکم سے جو امت کو تھی۔ اس نے حضور کی منزہ وپاک زندگی کو اتنی عمدگی کے ساتھ محفوظ کیا ہے کہ آج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روز وشب کی تمام باتیں عیاں ہو جاتی ہیں اور اگر کسی چیز میں کسی وقت کچھ اشکال پیدا ہوتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس امتِ مسلمہ میں وہ لوگ جن کو اللہ کے رسول کے قول کے مطابق بنی اسرائیل کے انبیا کا درجہ حاصل ہے۔ یہ علما کرام اس اشکال کو دیکھتے ہیں اور پتہ چل جاتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی پر نگاہ ڈالیئے اور بالکل عقیدت کے جذبوں سے بھی الگ ہو جائیے۔ اگر چہ اقبال نے بڑا صحیح کہا ہے کہ ؎

می توانی منکر یزداں شدن ‏ ‏ ‏ ‏ منکر از شان نبیؐ نتواں شدن

اللہ سے انکار ہو سکتا ہے مگر نبی کی شان سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن تھوڑی دیر کیلئے بحث کی خاطر آپ اپنے ذہن سے مذہبی عقیدت کو الگ بھی کر دیں اور ایک غیر جانبدارانہ نگاہ

ڈالیں تو بھی اس ذات ستودہ صفات کی زندگی میں ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں جسے بہتر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ مجھے احساس ہے کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے اور مجھے یہ بھی احساس ہے کہ یہ اہلِ علم کا مجمع ہے جس میں مجھے کسی زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشارتاً بات کرتا چلا جاؤں گا۔ تو حضور رحمۃ العالمینؐ کی ذاتِ گرامی میں اگر ایک طرف ہمیں نبوت کے جمال کی انتہا ملتی ہے۔ تو دوسری طرف خلافت الٰہیّہ کے جلال کا کمال بھی نظر آتا ہے۔ غزوہ احزاب میں جب صحابہ نے یہ شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم بھوکے ہیں۔ اور بتایا کہ ان کے شکموں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے نظر آئے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی کوئی ایک ہفتہ ایسا نہیں گذرا جب انہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہو تو یہ نبوت کے جمال کی انتہا ان میں نظر آتی ہے کہ قریش کا اجتماعی طور پر آکے اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ کہنا کہ اگر آپ کو حکومت کی ضرورت ہے تو پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ کو کسی کے حسن نے شکار کیا ہو تو آپ کا نکاح کرایا جا سکتا ہے یا آپ کے سامنے دولت کے انبار لگائے جا سکتے ہیں تو اس زبانِ قدسی صفات سے جواب آیا تو یہ کہ اے چچا اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اللہ کا کلام ان تک پہنچانے سے باز نہیں آؤں گا، چاہے میں اس میں ہلاک ہی ہو جاؤں تو یہ جمالِ نبوت کی انتہا ہے جو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی اور جملہ انبیا علیہ السلام اور مصلح جو آئے ہیں ان کی ذات بابرکات والاصفات میں جو ایک ایک خوبی نظر آتی ہے کسی میں حلم کی کسی میں صبر کی کسی میں استقامت کی کسی میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے فرعون سے ٹکرا جانے کی اور کسی میں نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں کود جانے کی، یہ تمام خوبیاں جو ان میں فرداً فرداً تھی حضور کی ذاتِ گرامی میں سب سمٹ آئی ہیں ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو نبوت کے جمال کا یہ عالم جو میں نے آپ سے عرض کیا اور نیابتِ الٰہی کے جلال کے کمال کا یہ عالم کے بنو مخذوم کی ایک عورت چوری کرتی ہے اور اس جرم میں ماخوذ ہو کے آتی ہے

بہت بڑے گھر کی عورت ہے اور اسے سزا دینے سے بڑے مخالف قسم کے اور مضر قسم کے اثرات معاشرے میں مسلمانوں کے خلاف مرتب ہو سکتے ہیں لہٰذا چند صحابہ کی یہ رائے ہوتی ہے۔ کہ اس عورت کے لئے حضور سے کچھ آسانی کی رعایت حاصل کر لی جائے اور اس سفارش کے لئے کسے چنتے ہیں۔ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت اسامہ کا یہ عالم ہے کہ حضور کی گود میں کھیلے ہیں حضور کے پوتے کے طور پر پلے ہیں اور جب فتح مکہ کے روز اللہ کا رسول اپنی ناقہ پر سوار مکہ میں فاتح داخل ہو رہے تھے۔ تو اس اونٹنی پر حضور کے آگے حضرت اسامہ بیٹھے تھے۔ جب کہ حضور کی گردن کسی دنیاوی فاتح کے طور پر تنی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک نبی کی گردن تھی جو اللہ کے حضور کجاوے کی لکڑی سے لگی چلی جاتی تھی۔ اس اظہار تشکر میں کہ آج اللہ کا دین غالب منصور ہو کر کے اس جگہ میں آ رہا تھا جہاں سے یتیموں کی طرح بے آسروں کی طرح رات کی تاریکی میں اللہ کے نبی کو نکالا گیا تھا۔ تو حضرت اسامہ کو شرف حاصل تھا کہ اس اونٹ پر حضور کے سامنے سوار تھے حضرت اسامہ وہ ہیں کہ حضورؐ نے مرض الموات میں جو لشکر مرتب فرمایا اس کی سرداری کے لئے حضرت اسامہ کو مقرر فرمایا اور ان کی تابعداری میں ان کی قیادت میں اکابر صحابہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ مقرر کیے گئے جو ان کی فوج کے جیش میں شامل ہو کر جاتے اور ان کی سپہ سالاری میں لڑتے اس کو شفیع بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا گیا کہ حضورؐ اس عورت کے معاملہ میں کچھ رعایت فرمائیں۔ تو زبان نبوت پہ جو الفاظ آئے وہ یہ تھے کہ تم سے پہلے قومیں جو تباہ ہوئی ہیں وہ اس لئے ہوتی ہیں، کہ جب غریب اور لاچار لوگ جرم کرتے تھے تو انہیں سزا دیتے تھے۔ اور جب ان کے عظیم المرتبت افراد پر بات آتی تھی۔ تو انہیں چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ اگر میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی اس چوری کے جرم میں ماخوذ ہوتی تو میں اس کو بھی ہاتھ کاٹ دینے کی سزا دیتا۔

تو میرے عزیزو یہ ہے خلافت الہٰیہ کے جلال کا منظر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نظر آتا ہے۔ حضور رحمت اللعالمین کی ذات کے طفیل اللہ نے انسانوں کے لئے ایک ایسا معاشرہ اس معمورے میں برپا کیا کہ اس معاشرے کو اسی کی حالت کو دیکھیں، اس کے طریق کو دیکھیں، اس کے عمل کو دیکھیں، اس کے افعال کو دیکھیں، اور ان کی نیت کو ان کے حسنِ عمل کو دیکھئے۔ حیرت

ہوتی ہے کہ آیا دُنیا میں انسانوں کی آبادیاں ایسی بھی ہو سکتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہوا ہے۔ کہ اے لوگو! تم ایک نفس واحد کی اولاد ہو جس سے اللہ نے ایک جوڑے کو پیدا کیا تھا اور تم سب کے سب ایک خدا واحد کے بندے ہو۔ تو یہ توحید کا درس جو اُس عالم انسانیت کو دیا جس کے اندر فرقہ داریاں تھیں۔ جن کے اندر طبقہ بندیاں تھیں۔ جن کے اندر غلامی تھی۔ جن کے اندر جاگیرداری تھی جس کے اندر قیصریت تھی، کسرایت تھی، خود عربستان کے اندر کیا عالم تھا آپ کو معلوم ہے وہاں یہ کہا کہ کالا کلوٹا حبشی اور سُرخ اور گورا آدمی دونوں ایک خُدا کی مخلوق ہیں ایک آقا کے نوکر ہیں۔ ایک مالک کے بندے ہیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن میں تفریقِ مراتب اُٹھ گئی۔ چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ جب ایک آقا کے غلام، ایک مالک کے نوکر اور ایک خُدا کے بندے ہوتے۔ تو اُن کے درمیان آپس میں کوئی اُونچ نیچ نہ رہی۔ مراتب کی تمام تفریق اُٹھ گئی۔ چھوٹے بڑے کے درمیان کے فاصلے معدوم ہو گئے۔ سب کے سب برابر ہو گئے اور اُس کی توحید کی تعلیم کا منطقی نتیجہ اور جو اس کا لازمہ تھا وہ یہ نکلا کہ معاشرہ میں وہ مساوات پیدا ہو گئی جس نے عالم انسانیت کو اس کا شرف عطا کر دیا۔ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ کالے کو گورے پر اور سُرخ کو سفید پر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں اور اللہ جل شانہ نے قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ ہم نے تم کو قبائل میں اور شعوب میں اس لئے بانٹا ہے اور بنایا ہے تاکہ تمہاری پہچان کا ایک ذریعہ ہو ورنہ یاد رکھو۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

اللہ کے نزدیک تو وہی معزز اور وہی محترم اور عزیز ہے۔ جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے تو یہ توحید کے درس کے نتیجہ میں مساوات پیدا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ استوار کیا اس کی بنیاد ہی باہمی ہمدردی، بھائی چارہ اور اخوت پہ رکھیں۔ یہ معاشرہ ایک دوسرے کا ہمدرد و غم گسار تھا اس معاشرے میں یہ عالم تھا کہ کوئی آدمی پھل کھانے کے بعد برسرِ عام چھلکے پھینکنے تک کا روادار نہیں تھا اس کے ہادی کی ہدایت تھی کہ جس کو پھل میسّر نہیں اس کے دل میں احساس محرومی نہ پیدا ہونے پائے۔ عالم انسانیت کو توحید کا درس دے کر مساوات کی لڑی میں پرو دیا اور نتیجہ اس کا یہ ہُوا کہ مساوات پیدا ہوئی توحید کے درس سے معاشرہ میں صبر کا

استحصال کا امکان اُٹھ گیا۔ جب سب ایک ہوئے سب آپس میں برابر ہوئے تو کسی فرد کو یہ حق نہ رہا کہ کوئی فرد دوسرے پر جبر کر سکے افراد میں سے باہمی جبر مٹ گیا۔ فرد پر سے استحصال ختم ہو گیا اور سب کے سب ان انعامات میں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔ برابر کے حصہ دار ہوئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض عاید ہوتے ہیں اور جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ان کی بجا آوری ان سب پر اسی طرح سے برابر کر دی گئی کہ خود نبی بھی جہاد میں جاتے تھے قتال میں شامل ہوتے تھے۔ اور دوسرے صحابہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اور جب ایک مرتبہ تین آدمی پیچھے رہ گئے تو سورۃ توبہ ان کا واقعہ بیان کرتی ہے کہ پورے معاشرہ نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ تفصیل میں کیا جاؤں آپ کے سامنے ایک الزام عاید ہوتا ہے۔ اور مستشرقین نے ہمیشہ کہا ہے کہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور وہ اس لئے کہ تاریخ میں اُنہوں نے دیکھا کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اسلامی لشکر اطراف میں بڑھے فتوحات کیں قیصر و کسریٰ کو ختم کیا اب یہاں ایک گزارش کروں کہ توحید کے درس سے پیدا ہونے والا معاشرہ جس میں ایک انسان دوسرے انسان کے برابر ہوتا ہے وہ جس طرح اپنے اندر ایک فرد کا دوسرے فرد پہ جبر اور ایک فرد کا دوسرے فرد پر کسی قسم کا استبداد گوارا نہیں کرتا اس طرح وہ کرہ عرض پر انسانوں کے کسی ایک گروہ کی طرف سے دوسرے گروہ پر ظلم واستبداد کی اجازت نہیں دے سکتا۔

جب جزیرہ نمائے عرب میں اسلام نے جڑیں پکڑ لیں تو اسلام کی اس تعلیم کا اس نقطہ توحید کا لازمہ یہ تھا کہ یہ اپنے اطراف میں دائیں طرف اگر قیصر کو پاتے تھے۔ یا بائیں طرف کسریٰ کو پاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو چند آدمیوں کا غلام اور زیر دست دیکھتے تھے۔ اور دنیا میں اللہ کی مخلوق پر ظلم ہوتا دیکھ رہے تھے تو پھر یہ معاشرہ اپنے فرض میں کوتاہی کرتا اگر اپنی حدود سے باہر نکال کر اس ظلم کو ملیا میٹ نہ کرتا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ قیصر تمہارے ہاتھ سے ختم ہوگا اور دوسرا قیصر پیدا نہیں ہوگا۔ کسریٰ ختم ہوگا۔ اور دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہوگا۔ تو اسلام اور کسرائیت اور قیصرائیت جو ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک معمورے میں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ اور آج بھی اگر دنیا میں ظلم کی حکمرانی ہے اگر کہیں انسان کا استحصال ہے کہیں جبر و استبداد قائم ہے تو یقین فرما

کہ اسلامی معاشرہ باقی دنیا میں مثالی معاشرہ نہیں رہا جسے اللہ جل شانہٗ نے اس دنیا میں قائم کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اور اگر مسلمان اس دنیا میں صحیح معنوں میں اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہو جائیں تو اس دنیا کے اندر وہ کسی استبداد اور جبر کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ کاونٹ جولین نے اسپین سے پکارا موسیٰ ابن نصیر کو کہ مجھ پہ ظلم ہو رہا ہے یہاں کے بادشاہ نے میری لڑکی کی عزت کو پامال کر دیا ہے اور جہاں معلوم ہُوا کہ سمندر کے پار اس خطے میں جس سے بظاہر ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اللہ کی مخلوق پہ کچھ ظالم لوگ حکمران ہو چکے ہیں اور جو اپنی حکمرانی کو ناجائز استعمال کرتے ہوئے ظلم توڑ رہے ہیں تو کوئی چارہ نہ تھا اسلامی معاشرہ کے لئے سوائے اس کے کہ طارق بن زیاد کو بھیجتا اور طارق ابن زیاد کے لئے کوئی چارہ نہیں تھا۔ بجز اس کے کہ اپنی کشتیاں جلا دے اور اس سرزمین میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دے۔

اب اسلامی معاشرہ حضورؐ کی بدولت قائم ہُوا اس کی چند خصوصیات بیان کر کے میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔ تو اس میں آپ نے دیکھا کہ اس معاشرہ کا نظم و نسق کسی جبر کی بدولت نہیں تھا کوئی پولیس اسٹیٹ نہیں تھی اس میں کوئی ظلم نہیں تھا کوئی ناجائز ٹیکس نہیں تھے کسی قسم کی کوئی جاگیرداری نہیں تھی عام طور پر ریاست اور وقار، ریاست جو قائم ہوتا ہے وہ افواج کی مدد سے ہوتا ہے جبر سے ہوتا ہے قہر سے ہوتا اور جبری ٹیکسوں سے، استحصال سے حکومت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں یہ دنیا کے معمورے میں سب سے پہلے ایک حکومت ایسی وجود میں آئی جو اپنے نظم و ضبط کے لئے کسی خارجی اثر کی، کسی جبر کی، کسی استبداد کی، کسی جاگیرداری کی اور کسی استحصال کی محتاج نہ تھی۔ بلکہ اس میں نظم و ضبط جو معاشرہ میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ دلوں کے تقویٰ سے پیدا ہوتا تھا، جو اس قانون کے ساتھ دل کی محبت تھی اور جو اس اصول کے ساتھ اور اس تعلیم کے دل کی موانست تھی اس کے تحت اللہ کا جو خوف پیدا ہوتا تھا دلوں میں تو اس سے، اس تقویٰ سے اسی حکومت میں نظم و نسق پیدا ہوتا تھا یعنی حکومت کے نظام میں دیکھئے کتنی انقلابی تبدیلی ہے کہ کوئی جبر نہیں ہے کوئی استحصال نہیں ہے۔ کوئی بڑا نہیں ہے۔ کوئی زیادتی نہیں ہے۔ کوئی کسی قسم کی معاشرتی ناہمواری نہیں، کوئی جاگیرداری نہیں ہے، کسی کو پکڑ کر غلام بنانا نہیں ہے۔ کوئی استبداد نہیں ہے۔ ہر ایک کے دل سے امن و سلامتی کے سوتے پھوٹتے ہیں اس حکومت کی استواری کے اور اس کی آبیاری کے، اور بنیاد اس کی ہوتی ہے تقویٰ پر۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دُنیا میں ہر چیز کی قدریں بدل گئیں پہلے جنگ ہوتی تھی خون بہانے کے لئے کسی کو پامال کرنے کے لئے دشمن کی سرزمین پر قبضہ کرنے کے لئے زمین کی بھوک کو جوع الارض کہتے ہیں اس لئے ایک قسم کی فوقیت قائم کرنے کے لئے انسانوں کے ایک طبقے کو باقی پر غالب کرنے کے لئے جنگیں تھیں اور اسلام میں خون ریزی ہوئی جہاد ہوا تو اس لئے ہوا کہ اللہ کے دین کو اور انسانوں کے حقوق کو تحفظ بہم پہنچانے کے لئے اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی بقا کے لئے واقعہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ میدان جنگ میں ایک دشمن کو پچھاڑ دیا اس کے سینے پر چڑھ گئے عین حالت قتال میں چاہا کہ اس کا سر قلم کردیں اس بدبخت نے ان کے روئے اقدس پر تھوک دیا۔ جہاں اس نے ان کے روئے اقدس پہ تھوکا آپ الگ ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ حیران رہ گیا پریشان، کہنے لگا، کیا بات ہے آپ نے لڑائی میں مجھے زیر کیا آپ میرا سر اتار رہے تھے جب میں نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا آپ الگ کھڑے ہوگئے۔ فرمایا پہلے میں تجھے قتل کر رہا تھا اپنے اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں، جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے ذاتی غُصّہ کا عنصر اس میں شامل ہوگیا۔ اب تیرا خون مجھ پر حرام ہوگیا۔ قتال کی، لڑائی کی، خونریزی کی اللہ جل شانہٗ نے قدریں ایسی بدل دیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کے غلبہ کے لئے، مظلوم کو ظلم سے چھڑانے کے لئے، جنگ جائز ہوئی اور جب کسی جگہ یہ ہوتی تھی تو دوسرے مذاہب کے معابد محفوظ تھے۔ ان کی عورتیں محفوظ تھیں ان کے بوڑھے محفوظ تھے۔ ان کی کھیتی باڑیاں محفوظ تھیں ان کے درخت محفوظ تھے۔ کسی کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں تھی۔ اور جب امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں فتوحات کر رہے تھے اور فتوحات کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ جنگی حکمت عملی کی وجہ سے لازم آیا کہ کچھ دیر کے لئے کچھ پیچھے ہٹا جائے اور جزیہ اس علاقے سے وصول کر چکے ہوئے تھے۔ تو پیچھے ہٹنے سے پہلے لوگوں کو بلایا اور بلا کر ان سے یہ کہا کہ تم نے ہمیں جتنا جزیہ دیا تھا۔ وہ سب کا سب ہم سے واپس وصول کر لو اس لئے کہ ہم تمہاری حفاظت کے اہل نہیں رہے۔ یہ کسی نے کہاں دیکھا تھا۔ یہاں تو ٹیکس زبردستی لوگ وصول کیا کرتے تھے عوام کے مال پہ جان پہ عزت پہ، ناموس پہ، حملے تھے حکمرانوں کے سامنے محکوموں کی حیثیت کیا تھی اب یہاں ایک عجیب قسم کے نئے حکمران سامنے آئے جنہوں نے ہلکا سا ٹیکس وصول کیا اور اب اس کو واپس کر رہے ہیں

انہوں نے پوچھا اب کیوں واپس کر رہے ہو۔ فرمایا یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا۔ اور جب ہم یہ جگہ خالی کر کے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو تمہاری محافظت کے اہل نہیں ہیں لہٰذا تمہارا یہ جزیہ ہم نہیں رکھ سکتے تمہیں واپس ہوگا۔

دوسری بات جو میں حکومت کے تعلق سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ اسلام کی حکومت کا نظام ہے حکومت کا نظام مقرر فرمایا۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

یعنی " اور ان کے معاملات سیاسی، ان کا نظم ونسق، ان کے حکومت کے کام، تمام معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں ہمارے ہاں کے دانشور کبھی اٹھ کے چیلنج دیا کرتے ہیں کہ اسلام میں آئین کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ اسلامی نظام حکومت کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ اسلام کی ابدیت کی میرے نزدیک ایک دلیل یہ ہے ختم المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ قرآن پاک کسی نظام حکومت کے متعلق کھل کے بات نہیں کرتا۔ اصول بیان کرتا ہے کہ ان کے معاملات مشورے سے طے پاتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول کو حکم ہے " وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" اور یہ ایسے عالم میں حکم ہو رہا ہے جس میں وحی ربانی کا نزول جاری ہے۔ قدم قدم پہ ہدایات آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود رہنمائی فرما رہے ہیں۔ ہر معاملے میں احکام نازل ہو رہے ہیں، عین اس عالم میں رسول کو حکم ہے کہ دنیاوی معاملات میں اور سیاسی معاملات میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایئے یہ اصل اصول بتا دیا کہ باہمی مشورے سے حکومت کے کام طے پاتے ہیں اگر کسی انسان کا کلام ہوتا اگر کسی شخص کا بنایا ہوا مذہب ہوتا۔ تو وہ کہتا اس میں اس قسم کے پروہت ہونگے اس میں اس قسم کے حاکم ہوں گے۔ اس میں اس قسم کے سردار ہوں گے۔ لیکن اس خالق کائنات کو یہ پتہ تھا کہ وہ زمانہ آئے گا۔ کہ انسان خلاؤں کا سفر کرے گا۔ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا۔ کہ انسان شاید کوئی روبٹ قسم کی مخلوق پیدا کرے گا۔ ممکن ہے کمپیوٹرز کے ذریعے اپنے پہ کوئی نظام حکومت قائم کر لیں تو اللہ کا کلام ابدی نہ ہوتا اگر وہ کہتا تمہارا حکومتی نظام یوں ہوگا۔ اصول بیان کر دیا اور موقعہ دے دیا جتنی تمہاری طاقت ہے جتنی تمہاری فکر وسعت اختیار کرے جتنا تمہارا عقل، شعور آگے بڑھے جس قسم کے زمانے کو تم پاؤ اس کے مطابق نظام قائم کر لو۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے باہر مت جانا۔ ان کے اندر ہی رہنا "یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ"

"اے انسانوں اور جنوں کے گروہ کیا تمہاری دسترس میں ہے کہ زمین اور آسمان کی حدود سے نکل جاؤ اگر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ تم نہیں نکل سکتے بغیر دلیل کے"

اب وہ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تمہارے ہاں ہمت ہے اور وہ دلیل میسر ہو تو زمین و آسمان کی پہنائی بھی تمہارے لئے تنگ ہو گئی ہیں ان میں سے باہر نکل سکتے ہو، کہاں کی کہاں طنابیں ڈال سکتے ہو یہ "سُلطان" علم ہو سکتا ہے۔ یہ "سُلطان" سائنس ہو سکتی ہے دلیل ہو سکتی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے، میرے عزیزو کہ قرآن پاک نے وہ قوانین عطا کئے وہ طریقے بتائے وہ اصول بتائے انسانیت کے اور معاشرے کے جن کو ابدیت حاصل ہے جن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور جن چیزوں میں تبدیلی کا امکان تھا جو چیزیں عقل انسانی کو جولانگاہ میں تھی اگر بڑھنے کی مختلفین چیزوں میں تبدیلی کا امکان تھا جن چیزوں میں عقل انسان میں سکت تھی آگے بڑھنے کی اپنے لئے مختلف طریقے اختیار کرنے کی، ان سب میں آزاد چھوڑ دیا کہ ان اصولوں میں رہو اور بڑھتے چلو جتنی تمہاری فکر ترقی کرے اتنے آگے بڑھتے چلو۔

تو یہ ریاست تھی جس کی بنیاد آمریت اور استحصال پر نہیں تھی بلکہ باہمی مروت اور بھائی چارے پہ تھی اور ایک اور چیز آپ ملاحظہ فرمائیے یورپ کو دیکھیں اور امریکہ کو دیکھیں دنیا کی مہذب و متمدن قوموں کو دیکھیں سب میں آپ یہ دیکھیں گے اور آئے دن اخبارات میں آتا رہتا ہے۔ کہ اُن میں خودکشی کا تناسب بہت زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ لاکھوں کروڑوں میں کھیلتے ہیں کھاتے پیتے ہیں معاً ایک آدمی اُٹھ کر کے خودکشی کر لیتا ہے اس کی وجہ کیا ہے کہ انسان کو اسلام سے پہلے بھی جب میں اسلام سے پہلے کہتا ہوں تو میری مراد اسی وحی ربانی سے نہیں ہوتی کہ جس کے خاتمے کے طور پر اس کے تکملہ پر اسلام ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے۔ خُدا کا پیغام تو حضرت آدم علیہ السلام کے پیغام سے شروع ہُوا اور حضور پہ آکر کے مکمل ہُوا جوں جوں عقل انسانی کا ارتقاء ہوتا گیا، جوں جوں انسان کے دل میں وسعت پیدا ہوتی گئی تحمل پیدا ہوتا گیا اس پیغام کی عظمت کا اتنا ہی زیادہ

سے زیادہ اسے دیا جاتا رہا اور بالآخر ایک روز " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" کہدیا۔

تو میں جو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ باقی ادیانِ عالم میں یا باقی تہذیبوں میں حیات بعداز موات کا تصور نہیں تھا یا تھا تو بالکل موہوم سا اور آج بھی یورپ کی تمام مادی ترقی کے باوجود زندگی میں جو مایوسیت پیدا ہوتی ہے اس کی اصل وجہ ہے اس یقین کا اسی ایمان کا فقدان جو حیات بعد الممات سے متعلق ہے یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُنیا کو مزرعۃ الاٰخرہ فرما کر دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنا دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میں انسان کو ایک ایسی راہ عطا کر دی جو اصلاح کی راہ تھی جو فلاح کی راہ تھی۔ جو سعادت کی راہ تھی اگر وہ فلاح کی راہ سے سعادت کی راہ سے خیر و برکت کی راہ سے اگر ہٹ جائے گا تو آخرت میں اس کے لئے بجز مایوسی اور نا اُمیدی کے کچھ نہیں اور آخرت کی زندگی پر جس کو ایمان ہے وہ انسان آگ میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ عقیدت کی طاقت انسان سے سب کام کروا لیتی ہے۔ اور ایک غریب سے غریب مسلمان ایک غریب سے غریب آدمی جس کو رات کی روٹی میسر نہیں ہوتی جس کے بچے اس کے سامنے بھوک سے بلکتے ہیں۔ وہ بھی نہایت اطمینان کے ساتھ دل کے ایک گوشے میں ان تمام کرب کے باوجود اس تمام تکلیف کے باوجود اپنے دل کا ایک گوشہ ایسا پاتا ہے جس میں اسے پوری اور مکمل طمانیت ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دنیا چند دن کی ہے یہاں اگر کچھ تکلیف ہو گی تو آخرت میں اس کا انعام اچھا ہے اس کا دل کسی خودکشی پہ نہیں چلتا ہے اور نہ اس کو اپنی زندگی میں کوئی تاریکی نظر آتی ہے۔ نہ وہ زندگی کے سفر میں چلتے چلتے کسی ایسی دیوار کے پاس جا پہنچتا ہے کہ جہاں جا کر سر پھوڑنا ہی پڑے اور راستہ نہ ہو۔ اسے تو ہر جگہ اس کے لئے راستے کھلتے رہتے ہیں۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی معاشرے میں سے شقاوت اور خود غرضی کو مٹا کر کے مروت اور ایثار کے جذبات پیدا کر کے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ اور دنیا میں جنت کا ایک نمونہ بنانے کے لئے ایک دین قائم کیا ایک اور چیز جس سے ہم نے بہت مدت تک آنکھیں موڑی ہیں اور ہمیں دیکھتے ہوئے افسوس بھی ہوتا ہے کہ ایک ایسا دین جو دین فطرت تھا جو اوہام کے خاتمے کے لئے آیا تھا۔ جس نے سب سے پہلے توہم پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ جس نے تعقل کو بڑھایا جس نے تفکر کی دعوت دی جس نے قدم قدم پہ تدبر کے لئے کہا آج اس دین کے ماننے والے

اسی فرش پر سے ہاتھوں سے کام کرنے والے، قوم کا درد رکھنے والے، اور قوم کے خادم اُٹھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود، ابن عمر اور ابن عباس ایسے عالم اور ابو ہریرہ اس میں سے اٹھتے ہیں اس میں سے حضرت علی، مولا علی۔ علم کے دریا اور سمندر اُٹھتے ہیں اور اس میں سے کیا کیا نتیجہ پیدا نہیں ہوتا ایک تعلیم ہے ایک درس ہے، ایک زبان ہے ایک ممبر ہے اور ایک مدرسہ ہے۔ ہر طبیعت اپنی خاصیت کے مطابق خاصہ پا رہی ہے ہر طبیعت پر نور نبوت پڑ رہا ہے وہ اس سے بہتر ہو رہی ہے اپنی اپنی طبیعت کے خاصے کے مطابق مقام پا رہی ہے۔ مقام مصطفےٰ پا رہی ہے۔ مقام اعلیٰ پا رہی ہے۔ تو اے علماء کرام کہ تمہیں کہا گیا کہ تم انبیائے بنی اسرائیل کی مانند ہو، انبیاء کی مسند کے وارث ہو، اللہ کے رسول آپ کے لئے سب کچھ چھوڑ گئے آپ نے اس قوم کو اچھا کرنا ہے آپ نے اس دنیا میں اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اللہ کے رسول کا ممبر بھی آپ کے پاس اللہ کے رسول کی مسجد بھی آپ کے پاس اور اللہ کے رسول کے ماننے والے دنیا میں بھٹکتے پھریں ذلیل ہوں، زخوار ہوں توہم پرستی میں مبتلا ہوں، دنیا کے دھتکارے ہوئے ہوں۔ وہ جو دنیا کو سبق دیتے رہے، وہ جو دنیا کو تہذیب سکھاتے رہے ان لوگوں کا آج یہ عالم ہوا حیرت ہوتی ہے! اس جذبے کو سامنے رکھنے جس کے تحت میں یہ بات کر رہا ہوں۔ علماء کرام کی محفل میں بیٹھ کر ان سے بڑے ادب کے ساتھ، ہگلے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ حضور آپ کے مدارس ہیں سے پورے پورے درس مکمل کر کے جو لوگ اُٹھتے ہیں وہ لوگ آج کیوں اس قابل نہیں ہیں کہ حکومت کی عنانیں سنبھال سکیں۔ وہ کیوں علوم متداولہ شجر ممنوعہ سمجھ کر الگ بیٹھے ہوئے ہیں۔

ارے آپ ہی کے متقدین تھے جو طب بھی پڑھتے تھے نحو بھی پڑھتے تھے۔ فلکیات کے بھی ماہر تھے اس دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم بھی پڑھتے تھے پوری دنیا کے علوم کو عربی میں منتقل کر دیا تھا آج آپ کے لئے دنیاوی علوم کیوں شجر ممنوعہ بن گئے۔ آپ انگریزی نہیں پڑھتے نہ پڑھیئے۔ آج تو دنیا بھر کی کتابیں اور علوم عربی میں منتقل ہوئے پڑے ہیں۔ بیروت کی، مصر کی، شام اور عراق کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں بہت کام ہو چکا ہے۔ آپ کے مدارس میں سے کیوں نہ ایسے لوگ نکلیں پانچ چار سال بعد کہ جن میں وہی خوبی ہو جو ایک مسلمان میں ہونی چاہیئے جن کو وقت پڑنے پر پکارا جائے۔ تو وہ میدان میں حاضر ہو جائے۔ جس کو حکومت کی کرسی پیش کی جائے تو اس کو

سنبھال لے اللہ کے رسولؐ اور اس کے ساتھیوں نے دنیا کو عزم اور ہمت کا سبق پڑھایا تھا کہ انسان اپنے حسنِ عمل سے اپنی کارکردگی کی لگن سے مقام پر پہنچ سکتا ہے عقیدے کی بدولت دنیا بھر سے ٹکرا سکتا ہے وہ بات آج پھر کیوں نہ دنیا میں ظاہر کی جائے۔ مسلمان کو اس کے عقیدے کی وہی دولت کیوں نہ لوٹائی جائے اور یہ سب سے بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ ہمارے مدارس پہ اللہ ان کو اس قابل بنائے۔ یقین فرمایئے زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ ایک پاکستان کے اندر ایک تحریک شروع ہو چکی ہے۔ جو ایک منطقی ردِ عمل ہے۔ اس تحریک کا جو اس ملک میں بیدینی کی اس سے پہلے چل چکی ہے۔ اب اسلام کی طرف ایک بار پھر توجہ ہو رہی ہے اور اسلام کو اپنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ پاکستانی قوم کے دل کے اندر کا چھپا ہوا جذبہ ہے جو اپنے اظہار کے لئے بیتاب ہے اسے رہنمائی کی ضرورت ہے اور یقین کیجئے اگر علما کرام اور ہماری مساجد اور ہمارے مدارس اس امتحان میں ناکام ہو گئے اور وہ ہمیں مثالی قیادت نہ مہیا کر سکے تو پھر شاید دنیا سینکڑوں برسوں تک اسلام کا نام نہ لے سکے گی۔

میں معافی چاہتا ہوں کہ اپنے جذبات کی رو میں بہہ گیا اور بہت سا وقت آپ کا لے لیا تو آخر میں اپنی طرف سے اور سیرت کے منتظمین کی طرف سے ان تمام علماء کرام اور ان تمام مشائخ حضرات شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے مقالات سے ہمیں نوازا اور ان تمام اصحاب کا بھی شکریہ عرض کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس کانفرنس میں کسی حیثیت سے بھی حصہ لیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سیرتِ نبویؐ میں عصرِ حاضر کے لئے پیغام

(جسٹس (ریٹائرڈ) جمیل حسین رضوی۔ لاہور)

اس مقالے کا مجوزہ عنوان ہے "سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عصرِ حاضر کے لئے پیغام" میری معتبر رائے میں یہ عنوان غلط فہمی پر مبنی ہے۔ سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیغام ہمیں دیا ہے وہ صرف عصرِ حاضر کے لئے مخصوص نہیں بلکہ وہ ابتدا سے ابد تک کے لئے ہے۔ عصرِ حاضر کے لئے بھی وہی پیغام ہے جو ابتدائے اسلام میں دُنیا کو دیا گیا اور یہ پیغام تا ابد ہر زمانے کے لئے وُہی رہے گا۔ اس کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ بلکہ میں اِس سے بھی آگے جانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ رسُول اکرمؐ نے اپنی طرف سے کوئی پیغام دیا ہی نہیں۔ انہوں نے دُنیا کو جو بھی پیغام دیا وہ وہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر نازل فرمایا اور جس کے پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اُن کو دیا۔ یہ آیات قرآن مجید اس کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى۔

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

رسولِ پاکؐ نے جو پیغام اس دُنیا تک پہنچایا وہ دینِ اسلام تھا جو آج بھی اُتنا ہی تر و تازہ اور اہم ہے جتنا اُس وقت تھا جب اِس کی نشر و اشاعت کا آغاز ہُوا۔ یہ ایک ایسا پیغام ہے جو کہ ہم سب کی زندگیوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے راستوں اور طریقوں کی نشاندہی کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ہم نہ صرف اِس مادّی اور فانی دُنیا میں ایک مُتوازن اور پُر اعتماد زندگی گزار سکتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی سرخرو رہ سکتے ہیں۔ اِس کی بُنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام اِن اصُولوں کا جامع مجموعہ ہے جو موجودہ اور آخرت کی زندگیوں کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اِن اصُولوں اور قاعدوں سے انسان کی زندگی کا دائرۂ کار اور اُس کی خود مختاری سلب نہیں ہوتی۔ بلکہ اسلام کے اصُول انسان کی آزادی

اور خود مختاری کی اس انداز سے وضاحت اور حد بندی کرتے ہیں کہ اُن کی مقصدیت اور گہرائی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ زندگی کا مقصد صرف "کھاؤ پیئو اور عیش کرو" تک محدود نہیں رہتا بلکہ زندگی کے مادی اور رُوحانی پہلوؤں میں توازن پیدا ہوجاتا ہے۔

سب سے پہلا سبق یہ دیا گیا ہے کہ اِس تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام دنیا کا خالق ہونے کی بنا پر محض مسلمانوں کا خُدا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا خُدا ہے۔ اور دینِ اسلام تمام بنی نوع انسانوں کو دعوتِ عمل دیتا ہے۔ یہ دین بنی نوع انسان کو اپنے دُنیاوی فرائض کو نیک نیتی اور ایمانداری سے بجا لانے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور بنی نوع انسان سے حسنِ سلوک اور محبت کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اگر محض اِن دونوں ہدایات پر تمام بنی نوعِ انسان یا کم از کم مسلمانانِ عالم سختی سے عمل پیرا ہوجائیں تو یہ دُنیا بھی جنت بن جائے گی! اسلام نے نہایت آسان فرائض عاید کرکے اور بنی نوع انسان کی برابری کا سبق دے کر وہ مقبولیّت حاصل کی ہے۔ جو کسی پہلے مذہب کو حاصل نہ ہوسکی۔ جونہی ایک اِنسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ سادہ مگر پاکیزہ لباس زیب تن کرتا ہے۔ پاک وصاف رہتا ہے۔ اس میں خود اعتمادی اور ذاتی وقار کی لگن پیدا کرتا ہے۔ مہمانوں کی خدمت کرنا اُس کا جزوِ ایمان بن جاتا ہے اور وہ اعزا و اقارب اور بنی نوع انسان کے ساتھ ایک عادلانہ زندگی بسر کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

اِسلام مساوات اور باہمی اخوت کا سبق دیتا ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل، امارت و غربت کی تمیز کو رد کرتے ہوئے رسُول پاک نے ایک ایسے معاشرہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بُنیاد اسلام کے لازوال اصولوں پر تھی۔ اس برادرانہ معاشرہ نے تمام افراد کو مساوی حقوق اور فرائض دیئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز!

فی زمانہ ہمارا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگوں کے گفتار اور کردار میں تضاد بہت بڑھ گیا ہے۔ دُوسروں کو نصیحت کرنے والے یا اصولوں کا پرچار کرنے والے کافی ہیں لیکن جب ذاتی مفادات کی بات آتی ہے تو پند و نصائح کرنے والوں میں سے بیشتر

لوگ اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر مادّی اور وقتی فائدوں اور مفادات کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔ ذاتی چپقلشیں، اقربا پروری اور اختیارات کا غلط اور غیر منصفانہ استعمال ایک معمول سا بنتا جا رہا ہے۔ ان رجحانات کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں نفسا نفسی کا عالم بڑھ رہا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم رسُولِ پاک کی حیاتِ طیّبہ کا مطالعہ کریں۔ رسُولِ مقبُول کی زندگی میں ایک بات جو بڑی واضح طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے گفتار اور کردار میں مکمّل مطابقت تھی۔ آپ نے کبھی لوگوں کو ایسی بات کی تلقین نہیں کی جس پر خود عمل نہ کیا ہو۔ آپ نے نہ صرف خُدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا بلکہ خود اُن تمام اصُولوں پر عمل کیا۔ اس طرح آپ نے اصُولوں کا عملی نمونہ پیش کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کے گفتار اور کردار میں کبھی تضاد پیدا نہ ہُوا۔ عالم یہ تھا کہ آپ کے دشمن بھی آپ کی ایمانداری، صداقت اور اعلیٰ کردار کے قائل تھے۔ آج ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ صرف دوسروں کو نصیحت کرنے سے ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ جب دوسرے لوگ با اصُول اور ایماندارانہ زندگی گزارنا شروع کر دیں گے تو ہم خود بھی با اصُول زندگی گزارنا شروع کر دیں گے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ ہر شخص پہلے اپنی زندگی کو اسلام کے اصُولوں پہ ڈھالے اور پھر دوسرے لوگوں کو دعوتِ عمل دے، اگر با اصول زندگی گزارنے کے لئے مشکلات آئیں تو اُنہیں خندہ پیشانی سے جھیلنا چاہیئے۔

اس ضمن میں ہمیں نواسۂ رسُول حضرتِ امام حسینؓ کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیئے۔ آپ نے با اصُول زندگی حق اور راستی پر قائم رہنے کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ فتح اور کامیابی کو مادّی زندگی کے مروّجہ پیمانوں سے نہ ناپو کیونکہ یہ عارضی ہے۔ آخری فتح اُنہی کی ہوتی ہے جو حق کے لئے سینہ سپر ہوتے ہیں۔ آیئے ہم بھی اپنے شب و روز کے لئے درسِ کربلا کو معیار بنائیں اور یہ دیکھیں کہ ہم دینی شعائر پر قول کی حد نہیں بلکہ عملاً کہاں تک پورے اُترتے ہیں۔

رسُولِ پاک کی سیرت سے ایک سبق یہ ملتا ہے کہ ہمیں سادہ اور تصنع سے پاک زندگی گزارنی چاہیئے۔ آپ نے نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ کبھی کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملا کہ رسُولِ پاک آرام و آسائش کی زندگی گزار رہے تھے اور عام مسلمانوں کو زندگی کی بُنیادی سہولتیں مُہیا نہ تھیں۔ آپ نے وہ کھایا جو ایک عام مسلمان کھاتا تھا۔ آپ نے وہ کپڑا پہنا جو ایک عام مسلمان کو دستیاب تھا۔

آپ کی جائے رہائش سادگی کا نمونہ تھی اور بالکل ایسی تھی جیسی اُس زمانہ میں دیگر مسلمانوں کی رہائش گاہیں تھیں
ہم نے آج اِس سبق کو بھلا کر تصنع اور نمود و نمائش کو اپنی زندگی اور عادات کا خاصہ بنا لیا ہے۔ اِس وجہ
سے ہمارے ذاتی اور قومی ذرائع ضائع ہو رہے ہیں۔ اِس طرح ہم بہت سے ایسے پروگراموں کی طرف مکمل توجہ
نہیں دے پاتے جو قومی ترقی کے لئے بہت ضروری ہیں۔ اس لئے ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم
سب سادگی کو زندگی کا شعار بنائیں۔ یہی اسلام کا پیغام ہے اور یہی سیرتِ رسُولِ پاک کا اہم خاصہ ہے۔

سادہ زندگی کے علاوہ ایک اور پیغام جو کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ
سے ملتا ہے وہ معاشرتی اور معاشی انصاف ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ دیگر مسلمان
بھائیوں بلکہ بنی نوعِ انسان کے ساتھ زندگی کے کسی پہلو میں نااتفاقی نہ کریں۔ اس کے علاوہ یہ ہدایت
بھی فرمائی کہ کبھی کسی اِنسان کو حقیر تصور نہ کرو کیونکہ خُدا کے نزدیک تمام اِنسان برابر ہیں فضیلت صرف
اُس شخص کو حاصل ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر خلوصِ دِل سے عمل کرتا ہے اور جس کا کردار
افضل ہے۔ مسلمانوں کو یہاں تک تلقین ہے کہ تم اُس وقت تک کھانا نہ کھاؤ جب تک تم یہ نہ دیکھ
لو کہ تمہارا کوئی ہمسایہ بھوکا تو نہیں ہے۔ ہماری فلاح اِس میں ہے کہ اسلام کے اصولوں اور رسُولِ پاکؐ
کی سیرت کی روشنی میں ہم معاشرہ میں موجودہ معاشرتی اور معاشی تضادات کو کم کریں اور معاشرتی اور
معاشی انصاف مُہیّا کریں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک ایسا ماحول پیدا نہ کیا جائے جس میں ایک
عام شہری کی بنیادی ضروریات کی ضمانت مُہیّا نہ کی جا سکے۔ ہم اپنے معاشرہ کو اسلامی خطوط پر پروان نہیں
چڑھا سکیں گے۔

المختصر رسُولِ پاکؐ کی سیرت روشنی کا ایسا مینار ہے جو کہ ہماری راہوں کو اُس وقت تک مُنوّر رکھ
سکتا ہے جب تک دُنیا قائم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اِس روشنی سے مُستفید ہوں اور
اُن راہوں پر چلیں جن کی نشاندہی حضرت رسُولِ مقبُولؐ نے اپنی زندگی میں کی۔ اگر ہم اپنی انفرادی
اور قومی زندگیوں کو حیاتِ طیبہ کے مثالی نمونہ کو سامنے رکھ کر مُرتّب کریں اور اسلام کے اصُولوں پر
صدقِ دِل سے عمل کریں تو ان مسائل کا حل ممکن ہو سکے گا جو آج ہماری قوم کو درپیش ہیں۔

سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں عصرِ حاضر کے لئے پیغام

"قول و فعل میں مطابقت کی ضرورت اور اہمیت"

(حافظ احمد یار ریٹائرڈ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَّ مُسْتَعِیْذًا

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ہ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ہ (الصف)

منارِ رشد و ہدایت سحابِ رحمت وجود
مرے رسول کا اسوہ، مرے نبی کا وجود (تابش)

بادی النظر میں اس کانفرنس کا مرکزی موضوع "سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں عصرِ حاضر کے لئے پیغام" اس لحاظ سے کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا آخری اور مکمل پیغام پہنچا چکے۔ ۲۳ برس آپؐ نے اپنے قول و فعل سے اللہ کے پیغام کی اس طرح تبلیغ فرمائی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر "الاھل بلغت؟" کہہ کر لاکھوں کے مجمع سے اس حقیقت پر اور اپنی صداقت پر گواہی لے لی۔ اور پھر "فلیبلغ الشاھد الغائب" فرما کر قیامت تک کے لئے اللہ کے پیغام کو آگے پہنچانے اور پھیلانے کے لئے تمام مسلمانوں کو خود اپنا پیغامبر مقرر فرما دیا۔ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کے ذریعے بھیجے ہوتے اس پیغام کو لفظاً و معناً قرآن کریم اور صاحبِ خُلقِ قرآن کی سیرت۔ یعنی کتاب و سنت کی صورت میں محفوظ رکھنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا۔ اور چودہ سو برس اس وعدہ کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ کتاب و سنت سے ملنے والا یہ پیغام اور یہ ہدایت، تمام انسانوں اور سب زمانوں کے لئے ہے۔ پھر عصرِ حاضر کے لئے اب کوئی نیا پیغام دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل کے کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جو بعض دوسرے

مسائل سے زیادہ نمایاں اور زیادہ توجہ طلب ہوتے ہیں یا کچھ خرابیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں باقی سب خرابیوں کا سبب بھی کہا جاسکتا ہے اور بعض دفعہ ان کا مجموعی نتیجہ بھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عصرِ حاضر کے مسائل میں۔ انفرادی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ہر جگہ "امن وسکون کا فقدان" پہلے نمبر پر آتا ہے۔ اس عالمی اضطراب و بے چینی کے اسباب بھی متعدد ہیں اور مظاہر بھی۔ آج کے انسان کو انفرادی سطح پر حبِ جاہ ومال سے اجتناب اور زہد وسادگی اختیار کرنے کی تلقین یا اجتماعی سطح پر توسیع پسندی اور استعماری عزائم کی بجائے امن اور سلامتی کی تدابیر بتانے کی ضرورت ہے۔ آج انسان دوستی صلح پسندی، رواداری، اتحاد و یگانگ، عدل ومساوات احترامِ حریت، فروغِ علم وحکمت اور خدمتِ خلق وغیرہ موضوعات پر بات کرنا وقت کی پکار ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک مسئلہ پر سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح پیغام اور کافی وکفتی رہنمائی موجود ہے۔ مگر کیا ہم ہر ملک وملت کے مختلف قدوقامت کے لیڈروں اور اس وقت کی عالمی سیٹج کے تمام مدعیان" انما نحن مصلحون "سے ان ہی مذکورہ مسائل وموضوعات پر دھواں دھار بیانات، داد طلب اعلانات اور مسحور کن مگر کھوکھلے پیغامات شب و روز نہیں سنتے رہتے؟ اور اس کے باوجود انسانیت اور شرافت ہے کہ ایک جاں طلب مریض کی طرح اپنے نوسرباز معالجوں کی لفظی بازیگریوں سے لحظہ بہ لحظہ مایوسیوں میں گری جارہی ہے۔ اگر آج کے زعمائے سیاست اپنے بین الاقوامی معاہدوں، اپنے "تلاشِ امن وآشتی" کے دعووں، اور دین و مذہب کو خیرچھوڑیئے۔ صرف یو۔ این۔ او کے چارٹر میں اپنے دستخطوں سے دئے گئے وعدوں کی پابندی ہی، اسی روح اور جذبہ سے کرتے جس کی مثال رحمۃ للعالمین اور رؤف الرحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحنامہ حدیبیہ کے ضمن میں قائم فرما دی تھی۔ تو آج انسانیت اطمینان کا سانس لے رہی ہوتی۔ عصرِ حاضر کے عالمی اضطراب کی وجہ تشخیص اور علاج سے نادانی نہیں۔ بلکہ اس کا اصل سبب ان "مستبصرین" کی نیتوں کا فتور اور دلوں کا کھوٹ ہے۔ یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہوگا کہ عصر حاضر کا سب سے بڑا روگ اور سب سے بڑا مسئلہ دراصل "قول وفعل کی ثنویت اور گفتار و کردار کی دورنگی ہے۔ جس میں اسی دور کے عوام اور خواص سب ہی مبتلا ہیں۔

ہادیٔ برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کی تعلیمات

کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو کرنا میرے نزدیک وقت کی نہایت اہم بات، مضطرب اور بے چین انسانیت کے لئے پیغامِ نجات اور خود مسلمانوں کے لئے درسِ حیات ہے۔ قول وفعل میں مطابقت کی تاکید اور اس کے برعکس گفتار و کردار کی دورنگی یا منافقت سے تحذیر پر، قرآن وسنت کی تعلیمات پیش کرنا میرے نزدیک کئی وجہ سے اہم ہے:-

۱۔ اولاً تو اسی لئے کہ قول وفعل کی دورنگی یا عصر حاضر میں ایک وباء کی صورت اختیار کر گئی ہے بلکہ بدقسمتی سے اسے عیب کی بجائے ہنر، معیارِ دانشوری اور گویا "فلاح کی راہ" سمجھا جانے لگا ہے۔ گاؤں اور محلوں کے چوہدریوں سے لے کر ملکوں کے حکمرانوں تک اور علاقائی رہنماؤں سے لے کر یو این او کے اجارہ داروں تک ہر جگہ یہی برائی ہر طرح کے "وڈیروں" کی امتیازی صفت بن گئی ہے۔ اور یہی خرابی باقی تمام خرابیوں اور مسائل کے جنم کا سبب یا پھر ان کی بقاء کا موجب بنی ہوئی ہے۔

۲۔ ثانیاً ایک وجہ میرے اس موضوع کو اختیار کرنے کی یہ بھی ہے کہ سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درخشاں پہلو سب سے پہلے دنیا نے دیکھا وہ یہی قول وفعل کی مطابقت ہی تو تھا۔ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں نے آپؐ کو الصادق اور الامین کا لقب کیوں دیا تھا؟ صدق اور امانت کا دارومدار اور بلند معیار قول وفعل میں ادنیٰ تفاوت کے نہ ہونے پر ہی تو ہے۔

۳۔ ثالثاً۔ آنحضرتؐ نے سب سے زیادہ دکھ اور پریشانی جماعت منافقین کے ہاتھوں ہی سہی۔ ایذاءِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کبیرہ گناہ ہے اور اس کا نفاق کے ساتھ گہرا تعلق ہے تو پھر سوچنے کی بات ہے کہ کہیں ہم اپنے قول وفعل کے اس تضاد سے ایذاءِ رسولؐ کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

۴۔ رابعاً۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی ایسی جماعت تیار فرمائی جن کے ظاہر و باطن کی یکسانیت اور قول وفعل کی مطابقت ہی تو اسلام کے غلبہ اور اس کی اتنی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اشاعت کا سبب بنی کہ ادیانِ عالم کی تاریخ نہیں۔ کہیں اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔

شاید یہ کہا جائے کہ قول و عمل کی مطابقت کوئی ایسی بات نہیں ہے جو صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مختص ہو۔ یہ بات تو کم و بیش تمام مذاہب اور جملہ ادیان کے مسلمات میں سے ہے اور سب ہی ہادی اور پیشوا یہی تعلیم دیتے رہے۔ ہاں یقیناً تمام انبیاء و رسلؑ کی تعلیمات میں یہ بات بھی شامل تھی۔ صرف تعلیمات میں ہی نہیں بلکہ بالفعل ان کے اقوال و اعمال میں کہیں بھی اختلاف یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء معصوم تھے۔ انبیاءؑ کے ضمن میں عصمت کا مفہوم اگرچہ وسیع ہے اور تمام احکام و قضایا بھی اس میں شامل ہیں۔ تاہم قول و فعل کی مطابقت بھی تو عصمت یا معصومیت کا ہی ایک پہلو ہے جب چھوٹا بچہ بھولے پن سے یہ کہتا ہے کہ " ابو کہہ رہے ہیں کہ وہ گھر میں نہیں ہیں"۔ تو یہ اسی معصومیت کا ایک مظہر ہوتا ہے جو ہر انسان کی فطری میراث ہے اور جیسے وہ بہت سی دوسری فطری خوبیوں کی طرح سن شعور میں کھو بیٹھتا ہے۔

اور یہ کوئی ضروری بھی تو نہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پیغام کوئی نیا انکشاف ہی ہو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "نحن معشر الانبیاء دیننا واحد" فرما کر جملہ ہادیان عالم کے اصل منبع ہدایت کی وحدت کی خبر بھی دے دی۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر بحث معاملے میں بھی یہ فضیلت ضرور حاصل ہے کہ آپؐ نے قول و فعل کے تضاد کی مختلف صورتوں، مختلف شعبہ ہائے حیات مثلاً تجارت، صنعت، حکمت، معاشرت اور عبادت وغیرہ سے اس کے تعلق اور اس ضمن میں پیش آنے والے بعض نفسیاتی مغالطوں تک کی مکمل وضاحت فرما دی ہے

آیئے اب اس موضوع سے متعلق کتاب و سنت کی تعلیمات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:۔

۱۔ قرآن کریم کے شروع ہی میں سورۃ البقرہ میں انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر ہے، مومن مخلص، کافر جاحد اور منافق مطلق، قلبی نفاق تو قول و عمل کی، دانستہ اختیار کردہ، شعوری اور ارادی، دورنگی ہے اور یہ قول و فعل کے تضاد بلکہ زبان اور دل کی عدم رفاقت کی بدترین صورت ہے۔ نفاق، کفر اور اسلام کے درمیان ایک ایسی ریاست ہے۔ جہاں سے اسلام میں کفر سمگل ہونے کا کام جاری رہتا ہے۔ اسی لئے نفاق کی اس قسم یعنی نفاق قلبی کے اسباب و علامات اور اس کے علاج یا ہولناک انجام (فی الدرک الاسفل من النار)

کے متعلق قرآن حکیم میں بالتفصیل بات ہوئی ہے۔ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قول و فعل کا تضاد اگر سوچی سمجھی دو رنگی کی بجائے صرف ضعفِ ایمان یا قوت ارادی کی کمزوری کے باعث ہو تو بھی اسے نفاق ہی کہا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا ماحصل اور معیار یعنی صفتِ تقوی ہے اور یہ اسی انسانی کمزوری یعنی نفاقِ عملی اور قول و فعل کے تضاد کو کلیتہً مٹانے (اتقوا اللہ حق تقاتہٖ) کے مطابق یا اسے زیادہ سے زیادہ کم کرنے اور (فاتقوا اللہ ما استطعتم) کے مطابق گھٹانے کا نام ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے کتابِ ہدایت کے علمبرداروں اور تلاوت گزاروں میں بھی قول و فعل کا تضاد پائے جانے کو سخت بے عقلی کا کام بتایا ہے۔ "أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب، أفلا تعقلون"۔ اور یہ شاید اسی لئے کہ لوگ اسے دانشمندی اور ذہانت کا مظہر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے شعر و شاعری کے مذموم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعراء کی آوارگی فکر اور عمل سے پہلوتہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم ترانھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون" علامہ اقبال نے اپنا نام لے کر دراصل شعر و شاعری کی اسی عام خرابی یعنی اس کے "کارِ بیکاراں" ہونے کا مضمون یوں باندھا تھا ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا وہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

۴۔ قرآن حکیم کی سورۃ الصف کی دو آیتوں میں تو خاص کر قول بلا فعل کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض اور قابل نفرت بات قرار دیا گیا ہے۔ "یٰایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون، کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔ بعض نکتہ رس مفسرین مثلاً زمخشری رازی اور قاسمی وغیرہ نے اس آیت میں کلمہ "مقت" کے اختیار کئے جانے کی بنا پر (جو بلحاظ خود اپنے اندر انتہائی نفرت اور شدید ناپسندیدگی کے وسیع معنی رکھتا ہے) اور مزید کَبُرَ اور عند اللہ اور پھر تقولون مالا تفعلون کی تکرار کی وجہ سے

اسے قول و فعل میں تضاد کی شدید اور ہر جہت قدمت کا ایک فصیح و بلیغ نمونہ قرار دیا ہے۔ عمل کی نیت یا ہمت نہ ہو تو پھر محض ڈینگیں مارنا یا پُر فریب نعرے لگاتے پھرنا تو کوئی خوبی نہ ہوئی۔

۵۔ سورہ ہود میں حضرت شعیبؑ کی زبان سے " وما ارید أن اخالفکم الی ما انھاکم عنہ " کی عبارت میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنے عمل سے اپنے ہی قول کی نفی کرنا خدا کے پسندیدہ بندوں کا طریقہ ہرگز نہیں ہوتا۔

۶۔ سورۃ آل عمران کی ایک آیت میں " یحبون أن یحمدوا بما لم یفعلوا " کے مصداق لوگوں یعنی مفت کی شہرت کے طلبگاروں کے لئے ، سزا سے نجات کے راستے بند ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ (فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب)۔

یہ تو تھیں وہ آیات جن میں 'قول' اور 'فعل' یا اُن کے ہم معنی الفاظ استعمال کر کے انسانی کردار کی اس پستی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ظاہر و باطن اور سر و جہر کی ہم آہنگی اور مطابقت پر جو زور دیا گیا ہے اس کا تعلق بھی اس موضوع سے ہے۔ مثلاً

(۱) وذروا ظاھر الاثم وباطنہ۔

(۲) انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن۔

(۳) واللہ یعلم سرکم وجھرکم و یعلم ما تکسبون۔ (وغیر ذالک من الایات)

احادیث نبویہ میں بھی اسی مضمون کو مختلف پیرایہ ہائے بیان سے واضح کیا گیا ہے۔ دعوتِ فکر کے ساتھ چند احادیث پیش خدمت ہیں:۔

۱۔ عن سفیان بن اُسید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کبرت خیانۃ ان تحدث اخاک حدیثا ھو لک بہ مصدق وانت لہ کاذب۔ (التاج جلد۵ صفحہ۔ بحوالہ ابوداؤد)

۲۔ عن عبد اللہ (بن عمرؓ) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من نبی اللہ فی امۃ قبلی الا کان لہ من امۃ الحواریون واصحاب یاخذون بسنۃ ویقتدون بأمرہ ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن ومن جاھدھم بلسانہ فھو

مومن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل۔
(رواہ مسلم) (التاج جلد ۵ ص۴۵ بحوالہ مسلم)

۳۔ عن اسامۃ بن زید (رضی اللہ عنہما) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یجاء بالرجل یوم القیامۃ فیلقیٰ فی النار فتندلق اقتابہ فی النار فیطحن فیہا کطحن الحمار برحاہ فیجتمع اھل النار علیہ فیقولون: أی فلان ما شأنک؟ کنت تامرنا بالمعروف وتنھانا عن المنکر؟ قال کنت آمرکم بالمعروف ولا اٰتیہ وانھاکم عن المنکر واٰتیہ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ ج ۲ حدیث ۵۱۳۹ کتاب الآداب)

۴۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ رأیت لیلۃ اُسری بی رجالا تقرض شفاھھم بمقاریض من نار۔ قلت من ھؤلاء یا جبریل؟ قال: ھؤلاء خطباء امتک یامرون الناس بالبر وتنسون انفسھم.... وفی روایۃ قال: خطباء من امتک الذین یقولون مالا یفعلون ویقرؤن کتاب اللہ ولا یعملون (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۲۹)

ان کے علاوہ متعدد احادیث نبویہ میں عباداتؐ ومعاملات کے ان شعبوں اور گوشوں کی خصوصاً نشان دہی کی گئی ہے جہاں اس انسانی کمزوری یا کردار کی اس خرابی کا عموماً مظاہرہ ہوتا ہے۔ مثلاً بیع وتجارت (غش) مورثیق ومعاہدات (نقض) اور معاشرت ومخاصمت (گروپ) وغیرہ میں۔ کتاب وسنت میں جہاں جہاں بھی ریا، بخل، بزدلی، خیانت، جھوٹ فریب، تلون، خوشامد پسندی اور سستی شہرت کی طلب وغیرہ رذائل کی مذمت وممانعت آئی ہے۔ سب کا تعلق بنیادی طور پر قول وفعل کے تضاد سے ہی ہے۔

صرف یہی نہیں قرآن وسنت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قول وفعل میں مطابقت بھی اگر خلوص نیت پر مبنی نہیں تو وہ بھی مردود ہے۔ قرآن کریم میں مرض قلب، زیغ قلب، رین قلب وغیرہ الفاظ سے باطن کی اسی خرابی کا ذکر ہوا ہے۔ اسلام کے اصول اولین توحید کے بیان کے لئے قرآن کریم کی جامع ترسورت کا نام "الاخلاص" رکھا گیا ہے (سورہ الاسراء میں ایک جگہ نیت

کے حسن و قبح کے نتائج یوں بیان ہوتے ہیں۔

" من کان یرید العاجلة عجلنا لہ فیہا ما نشآء لمن نرید ثم جعلنا لہ جہنم یصلہا مذموما مدحورا ہ ومن اراد الاٰخرۃ وسعی لہا سعیہا وہو مؤمن فاولٓئک کان سعیہم مشکورا)

اعمال میں نیت کی خرابی سے واقع ہونے والی بربادی کے بارے میں متعدد احادیث اور عہد نبوی کے بعض واقعات بھی سیرت اور حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں صرف ایک قدرے طویل حدیث بیان کی جاتی ہے جسے مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے (بحوالہ التاج جلد ا ص ۸۰ ، ۸۵)

عن ابی ھریرۃؓ عن النبیﷺ صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن اول الناس یقضی یوم القیامۃ علیہ۔ (۱) رجلٌ اُستشہد فاتی بہ فعرّفہ نعمہ فعرفہا قال: فما عملت فیہا؟ قال: قاتلتُ فیک حتی اُستشہدتُ۔ قال کذبت ولکنک قاتلت لأن یقال جریٌ فقد قیل۔ ثم اُمر بہ فسُحب علی وجہہ حتی اُلقی فی النار۔ (۲) ورجلٌ تعلم العلم وعلّمہ وقرأ القرآن فاُتی بہ فعرّفہ نعمہ فعرفہا۔ قال: فما عملت فیہا؟ قال: تعلمت العلم وعلمتہ وقرأتُ فیک القرآن۔ قال کذبت ولکنک تعلمت العلم لیقالَ عالمٌ وقرأت القرآن لیقالَ ھو قارئٌ فقد قیل۔ ثم اُمر بہ فسُحب علی وجہہ حتی اُلقی فی النار۔ ورجل وسّع اللہ علیہ وأعطاہ من أصناف المال کلّہ۔ فاُتی بہ فعرّفہ نعمہ فعرفہا قال: ما عملت فیہا؟ قال: ما ترکتُ من سبیل تحب أن ینفق فیہا إلا انفقت فیہا لک۔ قال کذبت ولکنک فعلت لیقال ھو جواد فقد قیل۔ ثم اُمر بہ فسُحب علی وجہہ ثم اُلقی فی النار۔ (مسلم، ترمذی، نسائی بحوالہ التاج ج ۱ ص ۸۵)

گویا جہاد، تعلیم و تعلم اور انفاق مال ایسے اعمالِ جلیلہ بھی حسن نیت اور اخلاص کے بغیر مردود ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسلمان کا ہر عمل اور ہر قول "للہ" اور "فی اللہ" کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے یہاں صرف قول و فعل ہی میں نہیں بلکہ ان کے ساتھ نیت اور اخلاص کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔

قلب، لسان اور جوارح میں سے کسی ایک پرزے کی خرابی، کردار و بصیرت کی پوری مشینری کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے ۔ باقی دنیا کو جانے دیجئے ہم مسلمانوں اور خصوصاً پاکستانی مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی اور دی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ اپنے قول و فعل کے تضاد کے باعث ہم کس انجام کی طرف رواں دواں ہیں؟۔ ہم اسلام کو سب سے اعلیٰ و ارفع نظریہ حیات کہتے ہوئے بھی اسے عملاً آج تک نہ اپنا سکے۔

جب ساری دُنیا نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا اس وقت ہم نے دین و سیاست کی یکجائی کا نرالا نعرہ بلند کر کے دشمنوں کو تو چرکتا کر دیا اور خود ایک تہائی صدی سے اپنے دین کو سیاست کا تابع مہمل بنانے کی مساعی میں لگے ہوئے ہیں ؎

لڑ گئے غیر سے مذہب کا لگا کر نعرہ
اور خود اپنے لئے کفر سے نیت باندھی

زندگی کے ہر شعبے میں دین کے اقتدار کے قائل ہوتے ہوئے ہم عملاً دین کو پرائیویٹ سے بھی کچھ دُور تر کر دیا ہے ؎

اتباعِ شریعت کے دعوے بھی ہیں   روح شیدائے تقلیدِ افرنگ بھی

پاکستان کے اہم رسائل وجرائد خصوصاً جو سرکاری یا نیم سرکاری اہتمام سے چھپتے ہیں۔ ان میں گزشتہ تیس برسوں میں شائع ہونے والے صرف "سیرت نمبروں" میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر ایوان ہائے حکومت سے جاری ہونے والے پیغامات اور بیانات کا مطالعہ کیجیے! اللہ اکبر! کیسے کیسے لوگوں نے کیا کیا دیا کھیاں دیئے؟ (ولکن کانوا انفسھم یظلمون) اور ذرا اسی مدت کے اخبارات کی صرف وہ سرخیاں اور خبروں کے عنوانات جمع کیجیے جن کا آخری حرف کسی صیغہ وعدہ" کا "گا، گے، گی" تھا۔ اور پھر دیکھئے کہ ہم کہتے کیا رہے اور کرتے کیا رہے؟ بوصیریؒ نے سچ کہا تھا ؎

استغفر اللہ من قول بلا عمل   لقد نسبت بہ نسلا لذی عقم

آج ہمارے دفاتر میں (الا ماشاء اللہ) خلوص اور محنت سے زیادہ "خانہ پری" کا جذبہ کارفرما ہے۔ ہماری تجارت، ہماری برآمدات، ہمارے ٹھیکے اور ٹنڈر، ہماری صنعت و حرفت، ہماری

دانشگاہیں حتیٰ کہ خدمت خلق کے ادارے بھی ۔ کونسی ایسی جگہ ہے جہاں قول وفعل کا تضاد موجود نہیں ہے جس چیز کو اللہ عزوجل نے اپنے مقت اور غضب کا نشان بتایا ۔ اسے اپنا کر کیا ہم واقعی کہیں غضب الٰہی میں گرفتار تو نہیں ہوگئے ؟ اس سے بڑھ کر اور غضب کیا ہوگا ؟ کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہا ۔ کوئی کسی سے مطمئن نہیں ہے ۔ ہماری تقریریں اور وعظ کیوں بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں ۔ یہ قول وفعل کے تضاد کا زہر ہے جو ہر شئے کو برباد کئے جا رہا ہے ۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے صوفیہ اور صلحاء نے تو اپنے قول وفعل کی ہم آہنگی سے اسلام کو ساری دُنیا کے لئے جاذب نظر بنا دیا مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اپنے مطالعہ کی بنا پر اسلام کو دین حق سمجھ جانے والے لوگ بھی ہماری صفوں میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں ؎

اسلام بذات خود ندارد عیبے　　　ہر عیب کہ ہست از مسلمانی ماست

اور اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

بروں آ از مسلماناں گریز اندر مسلمانی　　　مسلماناں روا دارند کافر ماجرائی ہا

آج اجتماعی سطح پر ہماری یہ حالت ہے کہ ؎

راہ بتائیں اور کو آپ پھریں گمراہ　　　مشعل جن کے ہاتھ نہیں انہیں نہ سوجھے راہ

اور انفرادی سطح پر اپنی ساری تعلیم و تہذیب اور روشن خیالی کی نمائش کے باوجود عالم یہ ہے کہ ؎

اجلے سر کے کیس ہیں من کالک کا ڈھیر　　　باہر چھائی چاندنی اندر گھپ اندھیر

صحابہ کرامؓ میں سے بعض تو اپنے دل کے وسوسوں سے بھی خائف رہتے تھے ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس روحانی اور نفسیاتی الجھن تک کا حل طلب کرتے تھے ۔ بعض اکابر کی احتیاط کے بارے میں مروی ہے کہ وہ وعظ اور تقریر سے گھبراتے اور عذر یہ پیش کرتے ۔ تا مرونی ان اقول مالا افعل فاستجل مقت اللہ عزوجل " مگر ہماری جسارتوں کا یہ عالم ہے کہ نیت کی باریکیوں اور ضمیر کی گہرائیوں کو چیک کرنا تو درکنار اپنے قول وفعل کے صریح تضاد پر بھی کبھی پشیمان نہیں ہوتے ۔

پشیمان ہوں تو توبہ نہ کرلیں توبہ پشیمانی ہی کا تو نام ہے ۔" انما التوبۃ الندم " (حدیث)

مسلمان کا سب سے پہلا ، سب سے بڑا اور سب سے انقلاب انگیز قول کلمہ طیبہ لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان ہے ۔ جب اس قول کو ہی دل میں جگہ نہ دی ۔ جب

اپنے ظاہر و باطن کو اس کے مطابق نہ ڈھالا، جب اپنے عمل اور کردار میں "الوہیت" اور "رسالت" پر ایمان کے تقاضوں کی کوئی جھلک پیدا نہ کر سکے۔ جب خدا اور رسول کے ساتھ بھی معاملہ زبانی جمع خرچ (   ) تک محدود رہا تو عام انسانوں کے ساتھ قول و فعل کے تضاد میں خرابی کیسے نظر آتی ہے، جلسوں جلوسوں کے نعرۂ ہائے تکبیر کو چھوڑیئے، ہم تو باقاعدہ پانچ وقت اذانوں میں ساری دنیا کے سامنے "اللہ اکبر" کا اعلان کرتے رہتے ہیں مگر ہمارے اعمال و افعال میں اللہ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کوئی احساس بصورت تقویٰ و خشیت نظر نہیں آتا۔

قول و فعل کے اس تضاد کو دور کرنے یا نہ کر سکنے پر ہی ہمارے 'دینی ضمیر' کی زندگی یا موت کا دار و مدار ہے۔ اگر اس دینی ضمیر میں کوئی خرابی واقع ہو گئی تو پھر سارے ترقیاتی پروگرام مل کر بھی ہمیں برے انجام سے نہیں بچا سکیں گے ؎

دُنیا کو تسخیر کر، ذرّے کا دل چیر
لیکن پہلے صاف کر اپنا پاک ضمیر

قول و فعل کا تضاد جتنا کم ہوتا چلا جاتا ہے اتنا ہی مسلمان اپنی اس اصلی "منزلِ ترقی و کمال" سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے جہاں وہ "لا الٰہ کی مشکلات" کو خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے، اور جہاں ہزار خوف بھی اس کی زبان کو دل کا رفیق ہونے سے روک نہیں سکتے۔

معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبیؐ کی اہمیت

(پروفیسر عبد القیوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین)

سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع الصفات ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے مکمل اسوہ اور پاکیزہ نمونہ قرار دیا ہے ۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور صرف آپ کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہدایت و راہنمائی حاصل ہوتی ہے وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۔ آپ کے بغیر اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کا تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ کی بدولت بنی نوع انسان کو اخلاقی روشنی اور روحانی نور میسر آسکتا ہے اور یہی قرآن مجید کے اس اعلان کا ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ یہ حقیقت بھی جانی بوجھی ہے کہ آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم بھی ہے ۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ اس حقیقت کو بھی سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کے ہر موڑ پر اور عمر کے ہر دور میں آپ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی اشد ضروری ہے ۔ انفرادی اور اجتماعی، معاشی اور سیاسی، ملکی اور ملی، فوجی اور شہری ہر قسم کے معاملات و مسائل میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے چراغ راہ ہے۔

اگر ہم اپنے معاشرے کی تشکیل انہیں خطوط پہ کر پائیں جو ہمیں سیرت النبیؐ مہیا کرتی ہے تو ہمارا معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے ۔ اور ہر شخص کو سکونِ قلب میسر آسکتا ہے عدم اطمینان اور عدمِ اعتماد کی موجودہ فضا ختم ہو سکتی ہے ۔ انفرادی بے چینی، اجتماعی اضطراب اور عدم تحفظ کا احساس اس وقت تک ہمارے اعصاب پر برابر سوار رہے گا جب تک ہم

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کو اپنی ذات پر اور اپنے معاشرے میں نافذ نہیں کر لیتے۔

معاشرے کا نقطۂ آغاز گھر ہے اور گھر سے معاشرے کی تشکیل کا عمل شروع ہوتا ہے۔ گھر کا سربراہ مرد ہوتا ہے وہ ایک شوہر ہے جو اپنی رفیقۂ حیات کی عزت و آبرو اور عفت وعصمت کا پاسبان ہے۔ وہ ایک بیٹا ہے جو اپنے ماں باپ کا فرماں بردار اور اطاعت شعار ہے۔ اور ان کے بڑھاپے کا سہارا اور ان کی امیدوں کا آسرا ہے۔ وہ ایک باپ ہے جو اپنی اولاد کا کفیل و ضامن، ان کی تعلیم و تربیت کا نگران اور ان کے دین اور عقیدے کا محافظ اور مربی و معلم ہے۔

اولاد سے محبت و الفت ایک فطری تقاضا ہے لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فطری تقاضے میں جو حسن اور دلفریبی پیدا کر دی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ پیکر رافت و رحمت صلی اللہ علیہ وسلم محبت و شفقت سے محبوب نواسے حضرت حسنؓ کا منہ چوم رہے تھے۔ حضرت اقرع بن حابسؓ تمیمی پاس بیٹھے تھے۔ بنو تمیم کے اس سردار نے یہ دیکھ کر تعجب سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے تو کبھی کسی کو اس قسم کا پیار نہیں دیا اور نہ کسی کا منہ چوما ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ لَا یَرْحَمُ، لَا یُرْحَمُ (بخاری)۔ آپ نے اس مختصر جواب میں محبت و شفقت کا فلسفہ بیان فرما دیا اور بڑے لطیف انداز میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اپنی اولاد سے محبت و شفقت رحمت کی علامت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں اور رحمتوں کے حصول کا ایک بہانہ اور ذریعہ بھی۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی جسمانی اور روحانی تعلیم و تربیت کے بدلے میں جنت کی بشارت بھی دی ہے۔

گھر میں امن و سکون کا ماحول پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوں۔ وہ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں اور ایک دوسرے کے مزاج شناس ہوں۔ میاں کی ذمے داریاں زیادہ ہیں۔ وہ اپنی رفیقۂ حیات کے ناموس و عزت کا پاسبان اور اس کے مال و جان کا محافظ ہے۔ اس لئے بیگم کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ قدر شناسی کا ثبوت دے اور میاں کی دلداری اور خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنے پائے۔ اور میاں کو یہ اعلان نبوی سنایا۔ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ۔ تم میں سے بہترین [illegible] مرد ہے جو اپنی

گھر والی کے حق میں بہت اچھا ہے۔ اور فرمایا کہ میں اپنی گھر والی کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔ اس ایک جملے میں رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو امن و سکون کا پورا فلسفہ بیان فرما دیا ہے۔

گھریلو مسائل میں سے ایک مسئلہ بزرگوں اور خوردوں کے باہمی تعلقات کا ہے۔ یہ بھی ایک نازک مسئلہ ہے۔ عام طور پر بڑے حضرات چھوٹوں سے خفا ہو جاتے ہیں اور چھوٹے تو ہوتے ہی چھوٹے ہیں، وہ بدتمیزی پر اتر آتے ہیں اور عزت اور بے عزتی کا سوال ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عمدگی اور خوبی سے حل فرمایا کہ ہماری ملّی اور دینی روایت یہ ہے کہ بڑوں کا احترام بہرحال کیا جائے اور چھوٹوں پر شفقت و رحمت ہمارا دینی خلق ہے۔ مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ اگر ہم ان ارشادات عالیہ کو مشعل راہ بنا لیں۔ بزرگ حضرات چھوٹوں سے محبت و شفقت سے پیش آئیں، اُن پر رحم و کرم کی نظر رکھیں اور چھوٹے اپنے بزرگوں کا پورا پورا ادب و احترام کریں تو ہمارا گھر اور ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا مسئلہ شاید اتنا اہم نہیں اس لئے کہ ہر طبقے کے والدین کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ ہماری اولاد بہترین تعلیم و ہنر سے آراستہ ہو کر سکھ، چین اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے اور یہ بات تو ہم میں سے اکثر کے مشاہدے میں آئی ہوگی کہ ایک نہایت غریب اور فقیر کا بیٹا اپنی محنت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بڑی سے بڑی کرسی کی رونق بنا۔ یہی صورت خواتین میں نظر آتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اصل مسئلہ اولاد کی تعلیم و تربیت کا نہیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ شفقت پدری اور مہر مادری کے طفیل خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ دراصل مسئلہ ماں باپ کی دیکھ بھال، ان کی ضرورتوں کا خیال اور ان کی آسائش و سہولت کے اہتمام کا ہے۔

جب انسان جوان ہو کر عائلی زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اہل و عیال اور بیوی بچوں کی ضروریات اُسے پریشان کرنے لگتی ہیں۔ پہلے اس کی توجہ اور محبت کا محور و مرکز والدین تھے۔ اب اولاد اور رفیقۂ حیات پر اس کی توجہ اور محبت مرکوز ہو جاتی ہے۔ ایک والد کسی نہ کسی صورت اپنے آٹھ دس بچوں کی کفالت کا بوجھ خندہ پیشانی سے اُٹھاتا ہے۔ دن رات محنت و مشقت کر کے اُنہیں پروان چڑھاتا

ہے۔ لیکن پانچ چھ بچے ماں باپ کی کفالت کو اپنے لئے بوجھ تصور کرتے ہیں۔ والدین کی قربانی اور ایثار کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ ان حالات سے معاشرے میں بددلی، بداعتمادی، احسان فراموشی اور بے مروتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال کا سد باب کرنے کے لئے قرآن مجید میں والدین سے حسن سلوک کرنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی۔ وبالوالدین احسانا کا درس دیا۔ اس سے بھی ذرا آگے قدم بڑھایا اور فرمایا کہ ان کی دلجوئی اور دلداری کو ہر بات پر مقدم رکھا جائے۔ یہاں تک عالم پیری میں ان کے ناگوار طرز عمل کو بھی بخندہ پیشانی گوارا کیا جائے۔ ان سے نرمی سے بات کی جائے۔ ان کے سامنے اونچی آواز سے بولنے سے منع کر دیا۔ ترش روئی سے پیش آنے سے روک دیا اور ان کے لئے دل آزاد کلمات کے استعمال کی ممانعت کر دی، فرمایا: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ بات یہیں ختم نہیں کر دی گئی۔ والدین کی نافرمانی سے سختی سے روکا گیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی نافرمانی یعنی حقوق الوالدین، کو اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔ اکبر الکبائر میں پہلا درجہ الاشراک باللہ کا ہے اور اس کے بعد حقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی اور مخالفت کا۔ والدین سے نیکی کرنے کی تاکید کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک مشہور حدیث ہے۔ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: بر وقت نماز ادا کرنا، عرض کیا پھر، فرمایا۔ والدین سے نیک سلوک کرنا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس نیک سلوک (برّ) کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ علمائے اسلام اور محدثین کرام نے "بر" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری ان سے حسن سلوک کرنا۔ ان کے حالات سے باخبر رہنا، ان کی بہتری اور آسائش و سہولت کا خیال رکھنا اور ان پر خرچ کرنا سب کچھ شامل ہیں، اور اسی طرف قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ یعنی میرا شکر ادا کرو اور والدین کا شکر ادا کرو اور والدین کے شکر سے مراد بھی مندرجہ بالا امور ہیں۔ بعض احادیث میں ماں کی خدمت میں حاضری کو جہاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ نیز صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میری خدمات کا حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا۔ پھر کون؟ آپ نے فرمایا کہ تیری ماں،

پھر تیسری مرتبہ اس نے پوچھا تو آپ نے جواب دیا تیری ماں۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر فرمایا کہ تیرا باپ۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جنت تیری ماں کے قدموں میں ہے یعنی ماں کی خدمت کرو گے تو جنت ملے گی اور یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ جنت و دوزخ کا عقیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید نے وضاحت سے بیان فرمایا کہ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ فوز و کامرانی سے ہمکنار ہو گیا حصول جنت مقصود و مطلوب مومن ہے، ارشاد ربانی ہے: مَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ سو حقیقی کامیابی جنت کا حصول ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسے ماں کی خدمت سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے سے محض اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ ماں کا نافرمان تھا اور ماں اس سے ناراض تھی بلکہ حکم دیا کہ اگر اس کی ماں اسے معاف نہ کرے تو پھر اس کی لاش کو جلا دو۔ یہ سن کر ماں نے معافی دے دی۔ علاوہ ازیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ماں باپ کو گالی دینے کو کبیرہ گناہ شمار کر کے اس مذموم فعل سے بھی روک دیا تاکہ گالی کے بدلے میں دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی نہ دے (بخاری)

گھریلو امن و سکون اور ذہنی آسائش اور قلبی اطمینان اس بات پر منحصر ہے کہ بوڑھے والدین کی دیکھ بھال اور خدمت میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی نہ ہونے پائے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ صلہ رحمی کے نتیجے میں رزق میں فراخی اور کشائش ہوتی ہے اور عمر بھی لمبی ہوتی ہے: حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَاَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي اَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ (بخاری) اس طرز عمل کے اپنانے سے معاشرے میں باہمی اعتماد اور روحانی راحت میسر آجاتی ہے۔

معاشرے کے عناصر ترکیبی میں دوسرے درجے پر ہمسائے اور پڑوسی آتے ہیں۔ گھر کے اندر پرسکون فضا اور پرامن ماحول پیدا کرنے کے بعد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ گھر کے باہر بھی ایسا ہی خوش گوار اور دلپسند ماحول پیدا ہو جائے تاکہ معاشرے کا ہر عنصر خوش گوار زندگی بسر کر پائے۔ امت کا غم کھانے والے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر فرد کا کتنا خیال ہے اور ہماری بہبود و بہتری کتنی عزیز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کے بارے میں مسلسل اور پیہم وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ ہمسائے کو بھی وارثوں میں شامل کر دیا

جائے گا۔ (بخاری) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُحْسِنْ اِلٰی جَارِہٖ (متفق علیہ) یعنی جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرے۔ لفظ احسان بڑے وسیع معنوں کا حامل ہے۔ اس میں ہر طرح کی بھلائی، خیر خواہی اور نیکی شامل ہے اچھا اور نیک سلوک، ایک مسلسل عمل ہے۔ جو کئی جہتوں کو حاوی ہے۔ مثلاً آپ کا ہمسایہ آپ سے اعانت طلب کرتا ہے تو اس کی اعانت کیجئے۔ اسے کوئی ضرورت ہے تو وہ پوری کیجئے۔ اگر وہ بیمار ہے تو اس کی عیادت کیجئے۔ کوئی خوشی نصیب ہوئی ہے تو اُسے مبارک باد کیجئے۔ اگر کوئی صدمہ پہنچا ہے تو اُس سے تعزیت کیجئے اور تسلی دے کر اس کی ڈھارس بندھایئے۔ اس کے رنج و غم اور خوشی و مسرت میں شریک ہو کر اپنے فرائض ہمسائیگی کو بجا لائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو یہیں ختم نہیں کر دیا۔ آپ نے مزید احتمالات اور خدشات کو رفع کرتے ہوئے پڑوسی کے حقوق میں یہ بات بھی شامل فرمادی اور اتنی تاکید کے ساتھ کہ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص مومن کہلانے کا قطعاً حق نہیں رکھتا جس کا پڑوسی اس کے غیظ و غضب، مکر و فریب اور ایذا و تکلیف سے محفوظ نہیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قیل، وَمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: اَلَّذِیْ لَا یُؤْمِنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ (متفق علیہ) معاشرتی روابط کے سلسلے میں اس سے بہتر تعلیم و تربیت کہیں اور مل سکتی ہے! ہمارے ہادی و رہنما تو رحمۃ للعالمین ہیں۔ انہیں یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ ایک مکان کے باسی تو پیٹ بھر کر کھائیں اور رات بھر خوب مزے سے سوئیں اور ساتھ والے مکان میں رہنے والے بھوکے ہی رات بسر کریں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کو اسلام اور ایمان کے سراسر منافی قرار دیا۔ فرمایا: لَا یُؤْمِنُ مَنْ بَاتَ جَارُہٗ جَائِعًا۔ (بخاری) یعنی جس کا پڑوسی رات بھوکا رہا وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو گیا۔ یہ چونکا دینے والا فرمان نبوی ہمارے لئے تازیادہ عبرت ہے۔ معاشرے کی حالت سنوارنے اور ایک دوسرے کا دم بھرنے اور ضرورتوں کا خیال رکھنے کے لئے اس سے زیادہ سخت حکم کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو پیٹ کے تقاضے پورے کرنے کے سلسلے میں فرمایا تھا اور دوسری حدیث میں ہمسایوں کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنے کے لئے آپ نے یوں راہنمائی فرمائی کہ سالن اور کھانا پکاتے وقت ہمسایوں کو نظر انداز نہ کرو۔ کچھ اسے بھی بھیج دو۔

گنجائش نکالنے کے لئے سالن میں پانی زیادہ ڈالنے کی ترغیب بھی دلائی۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمسائے کو کچھ بھیجنے کا ارادہ نہیں تو پھر کوشش کرو کہ ہنڈیا اور کھانوں کی خوشبو ہمسائے کے گھر تک نہ جائے ایک حدیث میں یہ تلقین فرمائی کہ جب گھر میں کوئی پھل وغیرہ لاؤ تو ہمسائے کو بھی شریک کرو اور اس کے بچوں کے لئے بھی کچھ پھل بھیج دو۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھر پھل کے چھلکے وغیرہ گھر کے اندر رکھو۔ باہر نہ پھینکو تاکہ غریب ہمسائے کے بچے چھلکے دیکھ کر ترسنے نہ پائیں۔ سبحان اللہ! انسانی جذبات کا احترام ملحوظ خاطر ہے۔ بظاہر یہ چھوٹی باتیں نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں اعلیٰ اقدار اور بلند اخلاق سکھاتی ہیں۔

۹ گھر کے بعد پڑوس اور محلہ پھر پورا معاشرہ، سارا گاؤں، سارا شہر اور سارا ملک بلکہ سارا عالم پیش نظر ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی سختیوں اور تکلیفوں کو دور فرما دے گا! اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِی حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (البخاری والمسلم)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عالی ظرفی بلند حوصلگی اور اعلیٰ اخلاق و عمدہ کردار کی تلقین کی ہے! اور جس اخوت، تعاون اور ہمدردی اور ایک دوسرے کے کام آنے کی تعلیم دی ہے اس سے ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کی راہیں بھی بند کر دیں تاکہ لوگوں کے امن و سکون میں خلل اندازی نہ ہوسکے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ معمولی سی گالی گلوچ سے بہت ہیجان و اضطراب اور ہنگامہ و فساد بپا ہوجاتا ہے! اس صورت حال کی روک تھام کے لئے فرما دیا کہ اہل ایمان کو گالی دینا کافرانہ حرکت ہے فرمایا۔ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ کُفْرٌ،

ایک حدیث میں مسلمان کا کردار یوں بیان فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ
حقیقی معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مسلمان اپنے کسی بھائی کے لئے ایذا کا باعث نہیں بنتا۔ گالی بکنا اور چغلی کھانا اس کی شان کے منافی ہے۔ وہ ورثل کی عزت و ناموس اور مال و جان کا محافظ و پاسبان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ نیکی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ کسی کی دل آزاری نہیں کرتا۔ کسی کی بدخواہی اور برائی نہیں چاہتا۔ وہ دوسروں کے لئے وہی کچھ چاہتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے، وہ فرمان مصطفوی۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ پر پوری طرح عمل پیرا ہوتا ہے۔

معاشرے کے بے شمار مسائل ہیں جن سے عوام دوچار ہوتے ہیں۔ کوئی بیمار ہے، کوئی بھوک کا ستایا ہوا، کوئی بیوہ اور بے کس عورت ہے۔ کوئی مسکین بدحال ہے کوئی یتیم رہ گیا ہے اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ان تمام مسائل کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اَلسَّاعِيْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البخاری) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی بیوہ عورت اور کسی مسکین کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے تو اس کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مجاہد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لئے گھر سے نکلتا۔ وہ دین کے ناموس اور ملت کے وقار کے لئے میدان جہاد میں نکل آتا ہے اس کا درجہ بہت بلند ہے اس کا صلہ اور بدلہ جنت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ معاشرے میں کسی بیوہ عورت اور کسی مسکین کی اعانت کرنے والے کا مقام و درجہ بھی مجاہد کے درجے سے کسی صورت کم نہیں۔ وہ محنت و مشقت کر کے روزی کماتا ہے اور ذاتی عیش و عشرت کے بجائے معاشرے کے نادار اور ضرورت مند افراد کی زندگی کا سہارا بن کر ان کی تلخیوں کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ کوشش اتنی پسند ہے کہ وہ ایسے شخص کو وہی مقام عطا کرتا ہے جو ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے مقرر ہے۔ یہی صورت یتیم کی کفالت کرنے والے کی ہے۔ ایک یتیم بچہ شفقت پدری سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات مہر مادری سے بھی تو اس صورت میں معاشرے میں اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو

معاشرے کے ہر فرد کا خیال ہے اور ہر فرد کی تکلیف اور ضرورت کا احساس ہے۔ آپ نے دو انگلیاں کھڑی کرکے فرمایا کہ یتیم کی سرپرستی اور کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح میرے ساتھ ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔

مسلمانوں میں احساس ذمہ داری بیدار کرنے اور ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ معاشرے میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بحالت مجبوری بھوک سے دوچار ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ اور اگر کوئی تمہارے آس پاس بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور ایسے تسلی دو کہ اللہ تعالیٰ جو شافی مطلق ہے اسے اپنی رحمت سے شفا و صحت عطا کر دے گا۔ ارشاد نبوی ہے: اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا المریض۔

معاشرے میں کاروباری لوگ بھی ہوتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہک اور دکاندار دونوں کی راہنمائی فرمائی۔ دکاندار سے فرمایا کہ کم نہ تولے، بازار کا بھاؤ برتے اور ناقص اشیاء اور ملاوٹ کی چیزیں فروخت نہ کرے۔ گاہک کو چوکس رہنے کی ہدایت فرمائی خرید و فروخت کے وقت خندہ پیشانی اور خیر خواہی کے جذبے کا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔ تنگ دلی، بددیانتی اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے جذبے سے احتراز کی تلقین فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ بازار سے گذرے غلے کا ڈھیر لگا ہوا دیکھا تو اس میں ہاتھ ڈالا۔ معلوم ہوا کہ اوپر سوکھی ہوئی اچھی گندم ہے اور نیچے گیلی اور ناقص۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ دھوکے کی تجارت کرنے والا اور ملاوٹ کرکے دھوکا دینے والا ہماری ملی روایات کا دشمن ہے۔ لہٰذا وہ ہم میں سے نہیں۔ الفاظ مبارک ملاحظہ ہوں۔ من غَشَّ فلیس منا۔ اس طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کسان اور زمیندار غلہ وغیرہ لے کر شہر کو آئیں تو انہیں راستے ہی میں روک کر سودا نہ کرلو بلکہ انہیں منڈی میں پہنچنے دو تاکہ چیزوں کا بھاؤ ٹھیک اور صحیح قائم رہ سکے۔ نہ تم اس کی بے خبری اور لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھاؤ اور نہ چیزوں کا بے جا طور پر بھاؤ چڑھنے پائے۔ قیمتوں کو متوازن رکھنے کے لئے آپ نے ہدایت فرمائی کہ غلہ منڈی میں لاکر فروخت کیا جائے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل و خون ریزی اور چوری ڈاکے کی روک تھام کے لئے بھی واضح ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ عرض کروں گا

کہ ہماری فلاح و کامرانی اسی میں ہے کہ معاشرے کو شرعی قوانین کی نعمت سے متمتع ہونے کا موقع ضرور دیا جائے۔

پرامن اور پرسکون معاشرے کی تشکیل کے ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ معاشرے کے افراد بکثرت ذکر الٰہی کریں اور فکر معاش سے زیادہ فکر کا دھیان رکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نظر نہیں آتا۔ آپ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ قرآن مجید میں تو میدان جنگ میں بھی بکثرت ذکر الٰہی کا حکم آیا ہے۔ ذکر الٰہی کی تمام مسنون صورتیں ہمارے سامنے ہیں اور ان میں سے آسان ترین اور اہم صورت نماز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قُرَّتُ عَینِی فِی الصَّلٰوۃ۔ اب معاشرے کو چاہیئے کہ صلوٰۃ کی پابندی اختیار کرکے اطمینان قلب کے اسباب مہیا کرے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ: اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے۔

۸ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم فریضہ کتاب وسنت کی تعلیم تھا۔ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ یعنی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں نیز وہ سب کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری تعلیمات قرآن وحدیث میں محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نظام تعلیم میں قرآن وسنت کو پورا حق دیا جائے تاکہ ہمارا معاشرہ علوم نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے فیض یاب ہوکر صحیح راہ پر گامزن ہوسکے ہم ان علوم نبویہ کے حامل وامین ہیں یہ علوم مقدسہ ہمارا دینی اور تہذیبی ورثہ ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس امانت اور ورثے کو بڑی محبت اور محنت اور لگن سے اپنے نوجوانوں اور نئی نسل تک پہنچائیں تاکہ یہ سلسلہ قائم وجاری رہے۔ یقین جانیئے کہ اس کے بغیر تاریکیاں اور اندھیرے ختم نہیں ہوسکتے۔ یہی چراغ چلیں گے تو روشنی ہوگی۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں عصرِ حاضر کیلئے پیغام

(پروفیسر غازی احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج پوچھال کلاں جہلم)

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد، فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (آل عمران: ۱۶۴)

درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کو ان کے درمیان انہی میں سے ایک ایسا عظیم الشان رسول مبعوث کیا جو اس کی آیات انہیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے

یہ مسلمہ امر ہے کہ روئے زمین پر انسانیت کا نقطۂ آغاز آدم علیہ السلام تھے۔ اور سلسلہ نبوت کی پہلی کڑی بھی حضرتِ آدم ہی تھے۔ علمائے محققین نے انسانیت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے انسانیت کا عالم طفولیت۔ عالم شباب اور عالم کہولت یعنی بڑھاپا اور اختتام۔

آدم علیہ السلام نے نوح علیہ السلام تک انسانیت بچپن کی منازل طے کرتی رہی اس دور کے انبیائے کرام کو انبیائے اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس دور میں انبیائے کرام اپنی اپنی اُمتوں کو صرف اخلاقی تعلیم دیا کرتے تھے جیسے ایک بچے کو عالم طفولیت میں صرف اخلاقی اقدار سے روشناس کرایا جاتا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے چوری کرنا بُرا کام ہے کسی کو فریب دینا اچھا نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

انسانیت کے دورِ ثانی کی ابتداء حضرتِ نوح علیہ السلام سے ہوتی ہے اور یہ دور حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک پھیلا ہوا ہے حضرتِ نوح کے دور میں لوگوں میں اعمال سیئہ کے

ارتکاب کے علاوہ عقائد میں بھی خرابی راہ پا چکی تھی۔ اور لوگ توحیدِ الٰہی سے اعراض کر کے شرک و کفر کی تیرہ و تاریک وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ذاتِ کبریا کی توحید کی بجائے بُت پرستی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (نوح: ۲۲-۲۳)

(حضرتِ نوح نے کہا) کہ ان لوگوں نے مکر کا بڑا بھاری جال پھیلا رکھا ہے۔ اور بدکردار لوگوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو وَدّا اور سُوَاع کو اور نہ یغوث۔ یعوق اور نسر کو۔

بخاری شریف میں ہے۔ اَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ۔ جاہل اور بدکردار لوگوں نے ان حضرات کے بت بنا کر ان کی پُوجا شروع کر دی۔ حضرتِ نوح نے توحیدِ ربّانی کا پیغام دیا مگر قوم پر بدبختی غالب آ چکی تھی حضرتِ نوح کے پیغام کو نظرانداز کر دیا گیا۔ اور وہ لوگ نتیجۃً عذابِ الٰہی یعنی طوفان کی نذر ہو گئے۔

الحاصل نوح علیہ السلام سے عیسٰی علیہ السلام کے دور تک تشریف لانے والے انبیاء نے اخلاق، اصلاح کے ساتھ ساتھ توحیدِ ربّانی کی حقیقت کو بھی اُجاگر کیا اور عقائد کی اصلاح میں شب و روز کوشاں رہے۔ یہ دوسرا دَور انسانیت کے عالمِ طفولیت سے آگے بڑھنے اور عالمِ شباب میں داخل ہونے کا دور تھا۔ اُس وقت تک چونکہ ممالک اور اقوام میں باہمی طور پر بُعد تھا۔ اس لئے ہر قوم اور ہر علاقے میں الگ الگ انبیائے کرام تشریف لاتے رہے اور صرف اپنی اپنی قوم کی اصلاح میں شب و روز مصروف رہے ایک ایک وقت میں مختلف انبیائے کرام دنیا کے مختلف خطوں میں جلوہ افروز رہے۔

عیسٰی علیہ السلام کے زمانے تک انسانیت پر ہزاروں صدیاں بیت چکی تھیں۔ بچپن کی منازل کو عبور کرتے ہوئے انسانیت شباب اور پختہ کاری کی منزل میں قدم رکھ چکی تھی اس مرحلے پر انسانیت کے لئے ایک مکمل فلسفۂ حیات کی ضرورت تھی۔ جو اس کے افراد کے عقائد۔ کردار۔ اخلاق اور ان سے متعلقہ معاشی۔ معاشرتی۔ دنیوی اور اُخروی امور پر مشتمل ہو۔ اس فلسفۂ حیات کا جامع پیغام لانے والا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس صورت میں جلوہ گر ہُوا۔ اور اس فلسفۂ حیات کا ظہور قرآنِ حکیم کی شکل میں ہُوا جس کا پیغام دینی و دنیوی، جسمانی و روحانی اور معاشی و معاشرتی تمام امور پر مشتمل ہے جس میں فلاحِ دارین کے تمام اسباب موجود ہیں جو قیامت تک بدلتے

ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی اہلیت رکھتا ہے جس میں مختلف حکومتوں اور پارلیمانی دستوروں کی طرح ترمیم و تنسیخ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ یہ دستورِ حیات خدائے لایزال کا مرتب کردہ ہے۔ جو اپنی تمام حقیقتوں کے ساتھ ابدی اور دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۳:)
اے بنی نوعِ انسان آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت لازم و ملزوم ہیں چنانچہ آپ کی بعثت کے بعد سلسلۂ نبوت کا انقطاع ایک ضروری امر ہے۔ نامکمل چیز کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کسی تکمیل کنندہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بہمہ وجوہ مکمل چیز کی تکمیل تحصیلِ حاصل کی حیثیت رکھتی ہے جو بداہتہً باطل ہے۔ اس لئے آپ کے بعد قیامت تک کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ جو دین کی تکمیل کرے کیونکہ دین مکمل صورت میں موجود ہے

دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایسا دور آرہا تھا جس میں ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی ترقی کی بنا پر اقوامِ عالم اور مختلف ممالک ایک دوسرے کے بہت قریب آنے والے تھے۔ اور دنیا سمٹ کر مختصر ہونے والی تھی۔ ایسے آلات معرضِ وجود میں آنے والے تھے جن کے توسط سے فردِ واحد کی آواز ربع مسکوں میں ہر جگہ پہنچ سکے۔ لہٰذا ایسے حالات میں ایک کامل و اکمل ہادی کی ضرورت تھی۔ جو ایک ابدی اور جامع فلسفۂ حیات لے کر آئے۔ اور تمام بنی نوعِ انسان کو ایمانِ کامل۔ اعمالِ حسنہ اور اخوت و مساوات کا سبق دے یہ ہادیٔ اکمل جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

اب انسانیت عالمِ شباب کے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے اور بڑھاپے کی منزل کی راہیں اس کے سامنے ہیں اب کسی جدید یا ماڈرن ہادی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بوڑھے طوطے نہیں پڑھا کرتے۔ انسانیت کو دورِ شباب میں جامع ضابطۂ حیات مل چکا ہے۔ اب تو ہمیں اس وقت کا انتظار ہے۔ جب بوڑھی انسانیت اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ جائے گی اور دم توڑ دے گی یہی قیامت کا نقطۂ آغاز ہوگا۔

مندرجہ بالا بیان کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کے آخری امین

ہیں ۔اور آپ کا پیغام فلاحِ انسانیت کے لئے آخری اور ابدی پیغام ہے جس میں کسی تغیر و تبدل کا احتمال نہیں ۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹) نصائح سے پُر یہ کتاب یعنی قرآنِ کریم کو ہم ہی نے اتارا اور اس کی محافظت بھی ہماری ذمہ داری ہے ۔

قرآنِ کریم سے پہلی کتبِ سماوی چونکہ مخصوص اقوام اور مخصوص اوقات کے لئے نازل کی گئی تھیں لہٰذا وہ تحریف اور قطع و برید کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں لیکن قرآنِ حکیم کے احکام قیامت تک جاری و ساری رہنے کے لئے نازل کئے گئے لہٰذا اللہ رب العالمین نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ۔اور چودہ سو سال کے طویل عرصے میں اعدائے اسلام نے قرآنِ حکیم میں التباس اور شکوک و شبہات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا ۔مگر ؏

جس کا حامی ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون

اسلامی قوانین و احکام کی افادیت اگر ہم عملی صورت میں دیکھنے کے متمنی ہوں تو تاریخ کے اوراق پلٹتے جائیے اور دورِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم پر جا کر رُک جائیے اور دیکھئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری رسول کے لئے ایک ایسے معاشرے کا انتخاب کیا جو تہذیب و تمدن ۔علم و دانش اور عمل و کردار کے لحاظ سے پست ترین معاشرہ تھا ۔ دنیا میں کوئی بُرائی ایسی نہ تھی جو ان کے ہاں عملی صورت میں موجود نہ تھی ۔مگر پیغامِ رسالت نے ان کی کایا پلٹ دی ۔ وہی جاہل و بے سواد لوگ علوم و فنون کے معلم بن گئے ۔ عدل و انصاف ۔ دیانت و امانت ۔عبادت و ریاضت ۔خوش کرداری و خوش گفتاری نرم دلی و خدا ترسی ۔ایثار و قربانی اور مودّت و اخوت جیسے اوصافِ عالیہ کو اپنے دامن میں سمو لیا ۔فردوسی نے ان کی سابقہ روایات کے مدِ نظر کہا تھا ؎

زشیرِ شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تختِ کیاں را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

روحانی اور اخلاقی لحاظ سے صحابہ نے وہ ارفع مقام حاصل کر لیا کہ فرشتے بھی اُن پر رشک کرنے لگے ان حضرات کے اوصافِ عالیہ کا ایک مجمل سا خاکہ اس آیتِ قرآنیہ میں موجود ہے ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ

السُّجُوْدِ۔ الایہ (الفتح: ۲۹) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں رحیم ہیں تم جب انہیں دیکھو گے تو انہیں رکوع وسجود۔ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں مشغول پاؤ گے سجدہ کے نشانات ان کے چہروں پہ نمایاں ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

وُہ کیسا داعی تھا اور کیسا انقلاب تھا جس نے چشم زدن میں اہلِ عرب کی کایا ہی پلٹ دی۔ جاہل اور علوم سے بے بہرہ افراد کو معلّم انسانیت بنا دیا۔ قاتلوں اور ظالموں کو جان کا محافظ بنا ڈالا۔ انہیں عدل وانصاف کی پاسبانی عطا کی اور حق وصداقت کا علمبردار مقرر کیا۔ جن کی تمام توانائیاں دین کی اشاعت وترویج کے لئے صرف ہونے لگیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہ اسلامی شجر جس کو محمدؐ نے لگایا تھا وہ اسلامی شجر جس کو صحابہ نے بڑھایا تھا
یہ وہ نہیں شجر جس نے کہ پانی سے غذا پائی صحابہ نے پلایا خون اس نے پرورش پائی
بنے مالی اگر ذی ہوش تو اس پہ بہار آئی ہوئے ہم ناخلف ایسے کہ اس کی شکل مرجھائی

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس عزت وارتقاء اور عظمت وشوکت کی بنیادی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابدی اور جامع پیغام تھا۔ جو آپ قرآنِ حکیم کی صورت میں لیکر آئے اور صحابہ کے سامنے اس کی عملی تفسیر کی۔

آپ کی سیرتِ طیبہ میں اس امر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ آپ نے صحابہ کو جو کچھ بھی کرنے کو کہا پہلے خود اس کا عملی نمونہ پیش کیا جس کی بنا پر وہ عمل صحابہ کی فطرتِ ثانیہ بن جاتا۔ ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ جس امر کی جانب وہ دُوسروں کی راہنمائی کرتا ہے اس پر وہ خود بھی عامل اور کاربند ہو۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف ۲) اے ایمان والو ایسی بات تم دوسروں کو کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول آپ کے فعل سے مطابقت رکھتا اور آپ کا ہر فعل آپؐ کے قول کا مفسر ہوتا۔ اسی بنا پر آپ کی سیرتِ طیبہ کو اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ وارفع مقام دیا گیا۔ فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۲۱) درحقیقت تم لوگوں

کے لئے اللہ کے رسولِ مکرم میں ایک بہترین نمونہ تھا۔

اگر آپ نے دوسروں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی تو ان پر خود عمل کر کے دکھایا اگر دوسروں کو عظمتِ کار کی اہمیت بتائی تو خود لکڑیاں چن کر لاتے صحابہ کرام کے ساتھ ہر کام میں شرکت کی۔ جنگِ خندق میں خندق کی کھدائی میں اگر صحابہ مصروفِ کار تھے تو آپ بھی مٹی کی ٹوکری سر مبارک پہ اٹھائے ہوئے تھے۔

اگر دوسروں کو صداقت و امانت کی اہمیت سے روشناس کرایا تو اپنی امانت و دیانت کا سکہ اپنے دشمنوں سے بھی منوایا۔ اور صادق و امین کا لقب پایا آپ نے صریح اور واضح الفاظ میں اعلان فرمایا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (یونس: ۱۶) آخر اعلانِ نبوت سے پہلے میں اپنی زندگی کی چالیس بہاریں تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل و سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ اس اعلان کے جواب میں کوئی مخالف شخص بھی قابلِ اعتراض بات پیش نہ کر سکا۔ بلکہ آپ کے صدق و امانت کا اعتراف کیا۔

اگر دوسروں کو عبادت و ریاضت کی ترغیب دلائی تو خود بھی فریضۂ عبادت سرانجام دینے میں اس قدر انہماک، شغف اور محنتِ شاقہ سے کام لینے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا۔ صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ کیوں اتنی تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ تو سیدِ عالم فرماتے۔ أَفَلَا أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

الغرض آپ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کا کوئی گوشہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ کتبِ احادیث آپ کی سیرت کے ہر پہلو پہ ضوفشاں ہیں "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ" ہی آپ کے اخلاق عالیہ اور کردار سامیہ کی واضح دلیل ہے۔

بعد میں آنے والے مفسرینِ قرآنِ کریم نے اگرچہ تفسیر کی کئی جلدیں لکھ کر امتِ محمدیہ پر احسان کیا ہے لیکن خود صاحبِ قرآن نے سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر تحریر فرمائی جو بے شمار مجلدات پر مشتمل ہے اور احادیث کی صورت میں موجود ہیں۔

آپ کی سیرتِ طیبہ کی ہم جیسے ناقص العلم انسان کیا توضیح و توصیف کر سکتے ہیں بقولِ شاعر

ع لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ

س: سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم عصرِ حاضر والوں کو کیا سبق ملتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی زبان سے سُنیئے
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (آلِ عمران ۳۲:۳۱) اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے حقیقت میں محبت رکھتے ہو تو میری اتباع، پیروی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ محترم کی اطاعت قبول کرلو پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

دین و دنیا میں عظمت و سربلندی کے حصول کا واحد راستہ یہی ہے کہ اتباعِ رسول کو عملی زندگی میں اپنایا جائے قرآن کریم اس نکتے کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ (آلِ عمران: ۱۳۹) اور تم ہی غالب، سربلند رہو گے اگر تم خدا و رسول کی اطاعت کی راہ پر گامزن رہو۔ صحابہ کرام نے یہی راہ اختیار کی تو عظمت و شوکت نے ان کے قدم چومے اور وہ برق رفتاری سے چار دانگِ عالم میں فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔

فتح و غلبہ کا انحصار قلت و کثرت کے مناسب پر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر ہے ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے تین صد غیر مسلح افراد ایک ہزار مسلح اور طاقتور افراد کے مقابلے میں غالب آسکتے ہیں۔ آلِ عمران آیت نمبر ۱۶۰ میں فرمایا اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہو تو بڑی سے بڑی طاقتور قوم بھی تمہیں نیچا نہیں دکھا سکتی۔ مگر اس نصرت کے حصول کے لئے ایک شرط عائد کر دی گئی۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الروم ۴۷) اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم ایمان والوں کو نصرت سے سرفراز فرماتے۔

اس جدید دور میں اگر ہم اسلاف کی سی عظمت و شوکت کے متمنی ہیں تو بقولِ سعدی علیہ الرحمۃ

مپندار سعدی کہ راہِ صفا — تواں یافت جز در پئے مصطفیٰ
خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور وحدت و یگانگت نام کی کوئی چیز نہیں اسلام تو اپنے ماننے والوں کو بھی ایک مرکز پر جمع نہ کر سکا۔ یہ سوال سن کر میرا ندامت سے جھک جاتا۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاق و اتحاد محبت و موانست اور وحدت و یگانگت کا جو قیمتی سبق ملا تھا اسے ہم نے طاقِ نسیان پر رکھ کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ حتیٰ کہ آج ہمارے باہمی عقائد مختلف۔ ہماری مسجدیں الگ۔ ہماری نمازیں علیحدہ۔ ہماری آذانیں جُدا اور ہمارے نظریات کے دھارے مختلف سمتوں میں بہنے لگے۔ کیا صحابہ کرام میں بھی اس قسم کی گروہ بندی موجود تھی؟ کیا قرآنِ کریم کی کسی آیت سے اس تشتت وافتراق کا جواز ملتا ہے؟ کیا ہماری یہ گروہ بندیاں اسلامی وحدت و یگانگت کے اُجلے دامن پر بدنما داغ نہیں ہیں؟ کیا دینِ اسلام کی طرف مائل شخص ہمیں دیکھ کر یہ نہ کہے گا کہ میں ایسے دین کو اپنانے سے باز آیا جو اپنے ماننے والوں کو بھی ایک وحدت میں منسلک نہ کر سکا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۰۲) کا کیا مطلب ہے؟ کیا ہم اس آیت کے مقتضیٰ پر پورے اُتر رہے ہیں۔

میری ناقص سمجھ اور ناقص علم کے مطابق تو سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عصرِ حاضر کے لئے اسی پیغام کی حامل وامین ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری کے احساس سے ہمارے دل آشنا ہو جائیں۔ اگر ہم نے بندوں کے حقوق میں کوتاہی اور خیانت سے کام لیا تو آخرت میں نجات و رستگاری کی تمام راہیں مسدود ہوں گی۔

صحیح مسلم کی روایت ہے۔ کہ ایک روز حقوق العباد کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا۔ بھلا آپ کو معلوم ہے کہ مفلس و غریب کسے کہا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ! جس کے پاس دولت نہ ہو۔ عیش وعشرت کے وسائل نہ ہوں اور فاقے کرنے پہ مجبور ہو ہم ایسے شخص کو غریب کہتے ہیں۔

فرمایا۔ نہیں۔ آپؐ نے مفلس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بروزِ قیامت ایک شخص بے شمار اعمالِ صالحہ کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا لوگ اس کے اعمالِ حسنہ کی کثرت پر رشک کناں ہوں گے اور ہر شخص کو اس کی کامیابی کا یقین ہوگا۔ اتنے میں ایک شخص آگے آئے گا دربارِ خداوندی میں شکایت پیش کریگا۔ یا اللہ! اس شخص نے دنیا میں میرے فلاں فلاں حقوق تلف کر دئے تھے میں اپنی کمزوری کی بنا پر اس سے اپنے حقوق واپس نہ لے سکا۔ اب میں آپ کی بارگاہِ عالیہ میں انصاف کا طالب ہوں۔ شکایت کنندہ کو اس شخص کے اعمالِ صالحہ سے بقدرِ حقوق اعمال دے دئے جائیں گے، اسی طرح اور بھی کئی مدعی اپنے اپنے دعاوی لے کر حاضر ہوں گے اور اس کی تمام نیکیاں تلف شدہ حقوق کے معاوضے میں لے جائیں گے۔ اور اس شخص کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ فرمایا غریب تو یہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُغْفَرُ لِلشَّھِیْدِ کُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّیْنَ (مسلم) ملاحظہ فرمایئے کہ شہادت فی سبیل اللہ جیسا عظیم عمل بھی حقوق العباد میں کوتاہی کو معاف نہیں کرا سکتا۔

سیرتِ طیبہ سے دوسرا قیمتی سبق یہ ملتا ہے کہ ہمارے دل حلت و حرمت کے امتیاز سے شناسا ہوں۔ اسلام نے کسبِ حلال کو اعلیٰ وارفع عمل قرار دیا ہے اور رزقِ حرام سے اجتناب کی سخت تاکید کی ہے۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔ یعنی وہ انسانی جسم جنت میں داخل ہونے کے قابل نہیں جس کا گوشت پوست رزقِ حرام سے پروان چڑھا ہے اور جس کی رگوں میں حرام غذا سے پیدا شدہ خون گردش کر رہا ہے اسلام نے تو مشکوک اشیاء سے احتراز کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیسرا سبق یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہم فرائض منصبی کی کما حقہٗ نگہداشت کریں۔ دینی۔ قومی اور ملکی فرائض کی انجام دہی میں غفلت، سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لیں۔ اگر ہم فرائض کی بجا آوری میں تہاون و تکاسل سے کام لیتے ہیں تو وہ تنخواہ ہمارے لئے حلال نہیں رہتی جو ہم قومی خزانے سے وصول کرتے ہیں۔

ہم اپنے وطن اور اپنی ملت کو اُسی صورت میں شاہراۂ ارتقاء پہ گامزن کر سکتے ہیں کہ ہم تفویض شدہ امور کی تکمیل کے لئے پوری جانفشانی، تندہی اور اخلاص سے کام کریں ملک و ملت کے ارتقاء اور محافظت کی ذمہ داری ہم میں سے ہر فرد پر عاید ہوتی ہے اور ہم قول و فعل میں سچے مسلمان بن کر ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

میں اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالیہ میں التجا کرتا ہوں کہ اللہ جلّ شانہٗ روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کو سچّا اور حقیقی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ کتاب و سنّت کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی سعادت سے نوازیں۔ اور ہر قسم کی بُرائیوں سے اجتناب کی ہمت سے بہرہ ور فرمائیں۔

خُدا کرے ہماری زندگی کا ہر پہلو خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے۔ اعمال سے متعلق ہو یا اخلاق سے سیرتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ سانچے میں ڈھل جائے اللہ تعالیٰ ہمیں اقامتِ صلوٰۃ کی توفیق عنایت فرمائیں اور اعمالِ بد سے بچائیں تاکہ بروزِ قیامت اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

اللہ ربّ العزت تمام عالمِ اسلام کو استحکام نصیب فرمائیں اور ہمارے محبوب وطن پاکستان کی خصوصاً حفاظت فرمائیں اور اس وطن کی سرزمین میں ہر طرف سیرتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ نمونے جگمگ جگمگ کرتے نظر آئیں۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

وما علینا الا البلاغ

حضور اکرمؐ ۔ مربّی و مزکّی

(ڈاکٹر خالد علوی شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی)

انبیاء کی بعثت کا مقصد نفوس انسانی کی تربیت و تزکیہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے جو دعا فرمائی اس میں آپ کی بعثت کی اصلی غرض و غایت تزکیہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ [1]

اے ہمارے رب! تو ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

خالق کائنات نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور مقاصد کا حوالہ ان الفاظ میں دیا۔

كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ [2]

چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہی میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

اسی طرح سورہ جمعہ میں آپ کی بعثت اور اس کے اغراض و مقاصد کا حوالہ دے کر بنی اسمٰعیل پر ان

---

[1] القرآن ۲ : ۱۲۹ ۔ [2] القرآن ۲ : ۱۵۱ ۔

الفاظ میں احسان جتایا ہے :-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ؕ[1]

وہی خدا ہے جس نے امیّوں (بنی اسمٰعیل) میں انہی میں ایک رسُول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

گر ان آیات میں تزکیہ کے ساتھ دوسری چیزیں بھی شامل کی گئی لیکن انہیں غایت و مقصد نہیں کیا جا سکتا وہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ یعنی تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کی وجہ سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ تزکیہ کے لفظی معنی پاک وصاف کرنا، نکھارنا، میل کچیل دور کرنا ہے۔ قرآن پاک نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے، کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے نکھار کر صاف ستھرا کیا جائے۔ یعنی اس آئینے کے زنگ کو دور کر کے اس میں صیقل و جلا پیدا کر دی جائے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں!

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا۔[3]

قسم ہے نفس اور جیسا اس کو ٹھیک کیا، پھر اس میں اس کی بدی اور نیکی الہام کر دی۔ بے شبہ جس نے اس نفس کو صاف ستھرا بنایا وہ کامیاب ہوگا اور جس نے اس کو مٹی میں ملایا وہ ناکام رہا۔

دوسری جگہ فرمایا :-

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ۔[4]

بے شبہ وہ جیتا جس نے اپنے آپ کو پاک و صاف کیا اور اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔

---

[1] القرآن ۶۲ : ۲ [2] [3] القرآن ۹۱ : ۷-۱۰ ، [4] القرآن ۸۷ : ۱۴-۱۵

قرآن مجید میں اس بات کی بھی صاف تصریح موجود ہے کہ تزکیہ ہی وہ اصل کام ہے جس کے لئے لوگوں کو نبی سے رجوع کرنا چاہیئے اور نبی کا فرض ہے کہ جو لوگ اس غرض سے ان کے پاس آئیں ان سے صرف نظر نہ کریں۔ ایک موقع پر نبیؐ نے بعض اسباب کی بنا پر ایک طالب کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی تو ارشاد ہوا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى [1]

انہوں نے تیوری چڑھائی اور رُخ پھیرا کہ ان کے ہاں نابینا آیا۔ آپ کو کیا معلوم شاید تزکیہ حاصل کرنے آیا ہو۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ نبی خلق خدا کے نفوس کا تزکیہ کرنے آتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ضمن میں تزکیہ ہی کو اصل مقصد قرار دیا ہے۔ فرمایا:-

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۔ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى [2]

فرعون کے پاس جائیں وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہیں کہ تیرے اندر کچھ رغبت ہے کہ تو تزکیہ حاصل کرے۔

سورۃ الشمس اور سورہ الاعلیٰ کی متذکرۃ الصدر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کی نجات و فلاح کا انحصار تمام تر اس بات پر ہے کہ اس نے کہاں تک نفس کا تزکیہ کیا ہے۔

انسانیت آج جن حالات سے گزر رہی ہے اور جن مسائل سے دوچار ہے وہ اتنے خطرناک ہیں کہ کسی لمحے بھی پورا انسانی وجود مٹ سکتا ہے۔ موجودہ عالمگیر مادہ پرستانہ تہذیب کے ظاہر فریب پردوں کے پیچھے جھانک کر انسانیت کا جائزہ لیجئے تو وہ حال زار سامنے آتا ہے کہ رُوح کانپ جاتی ہے۔ پُوری اولاد آدم کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے اور ہر طرف دولت و اقتدار کے لئے ہاتھا پائی ہو رہی ہے۔ آدمیت سے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے۔ جرائم تمدنی ترقی کے ساتھ تیزی سے بڑھ رہے ہیں نفسیاتی الجھنوں کا زور ہے۔ اور ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے۔ انسانی ذہن و کردار میں ایسا بنیادی فساد آگیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منحوس پرچھائیں سے محفوظ نہیں رہا۔ فلسفہ و حکمت سے سچائی کی روح کھو گئی ہے، اعتقادات و نظریات

---

[1] القرآن ۸۰: ۱-۳ ، [2] القرآن ۷۹: ۱۷-۱۸۔

میں توازن نہیں رہا۔ رُوحانی قدریں چوپٹ ہو گئی ہیں۔ قانون رُوحِ عدل سے خالی ہو رہا ہے۔ سیاست میں جذبہ خدمت کی جگہ اغراض پرستی گھس گئی ہے۔ معیشت میں ظالم و مظلوم طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں جمال کی ساری رنگ آمیزیاں جنسی جذبوں اور سفلی خواہشوں سے کی جانے لگی ہیں۔ عقل ترقی کر گئی ہے مگر اس کی حماقتیں ہمارے دریئے آزار ہیں، علم کے سوتے ابل رہے ہیں مگر اس کی پروردہ جہالتوں کے ہاتھوں آدم زاد کا ناک میں دم ہے۔ دولت کے خزانے ہر چہار طرف بکھرے پڑے ہیں مگر خدا کی مخلوق بھوک، ننگ اور محرومی کے عذاب میں گھری ہے۔ ہزار گونہ تنظیمیں اور سیاسی ہیئتیں، نظریاتی وحدتیں اور معاہداتی رابطے نمودار ہیں مگر انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی کا تعلق نہیں چیتے اور بھیڑیئے کا سا معاملہ ہے۔ عقلی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی شعور کی ترقی کے چرچے ہیں مگر ظلم و تشدد کے انتہائی ناپاک حربے آج بھی انسانیت کے خلاف کام میں لائے جا رہے ہیں۔[1]

اس صورت حال کا سطحی جائزہ بھی ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ اس سارے ڈرامے کا سبب اس کے اصل کردار حضرتِ انسان کی بے تربیتی ہے۔ حکومتیں، تنظیمیں، منظم معاشرے فرد ہی کے وجود سے تشکیل پاتے ہیں۔ فرد ہی وہ اکائی ہے جو سارے بناؤ بگاڑ کا ذمہ دار ہے۔ فرد گلی کوچوں میں پھر رہا ہو یا مسندِ اقتدار پر فائز، مجرم کے کٹہرے میں کھڑا ہو یا کرسی عدالت پر، اپنی ذات کا تحفظ کر رہا ہو یا نظام اجتماعی کو مستحکم کرنے میں مصروف، یہ انسانیت کی فردیت ہی ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ پیغمبرانہ طریق کار کی عظمت ہے کہ اس میں فرد کی بنیادی اہمیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کی شخصیت کی تعمیر اور اس کی ذات کی اصلاح کو دعوت کا بنیادی پتھر قرار دیا۔ فرمانِ الٰہی ہے

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔[2]	جو کوئی راست روی اختیار کرے اس کے اپنے لئے ہی مفید ہے اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی، وبال اسی پر ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دُوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔

اسی بات کو ایک اور جگہ دوسرے پیرائے میں بیان فرمایا۔

---

[1] محسنِ انسانیت ص۱۰ [2] القرآن ۱۷: ۱۵

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [1]	اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا ۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جب تم راہ پر ہو ۔ تم سب کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتلادے گا جو کچھ تم کرتے تھے ۔

بہترین افراد ہی کے مجموعے سے بہترین معاشرہ وجود میں آتا ہے اور معاشرے کی اعلیٰ تنظیم ہی سے فلاحی ریاست وجود میں آتی ہے ۔ فرد کی اصلاح ہر معاشرے کی اصلاح کا دار و مدار ہے اور فرد ہی کی تربیت و تزکیہ سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے ۔ انسانی زندگی کے لئے مکمل نمونہ کی حیثیت رکھنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے فرد کے تزکیہ اور تربیت کا اہتمام کیا ؟ اور حیات انسانی کی اس اکائی کی طرف کیسے توجہ دی ۔ پیغمبر انسانیت نے وہ کونسا طریق کار اختیار کیا جس سے ایسے اولوالعزم لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ انسانی کا رُخ موڑ دیا ۔ وہی طریق کار آج بھی ہماری اصلاح حال کا ضامن ہو سکتا ہے اور اسی رہنمائی کے سہارے ہم آج بھی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تاریکیاں دور کر سکتے ہیں ۔

پیغمبرانہ طریق تربیت و تزکیہ بیان کرنے سے پہلے نفسیات و اخلاق کے ایک مسلمہ قانون کا بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ " افکار ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے ، اعمال ہی کے تکرار سے عادت کا قیام ممکن ہے اور عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے ۔ سیرت ان تیقنات ، عادات و میلانات کا مجموعہ ہے جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہے ، اس کو دوسروں سے ممیتاز کرتا ہے اور اس کی وحدت کردار کا باعث بنتا ہے ۔ سیرت کی تحلیل میں ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ عادات کی تنظیم کا نام ہے ۔ عادت کی تشکیل رمضان کی تکرار سے ہوتی ہے ، افعال کا صدور بظاہر محرکات پر مبنی ہوتا ہے لیکن محرکات کا ماخذ و منبع وہ تیقنات و اذعانات ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کے تجربات ، ماحول کے اثرات تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے ۔ علم و یقین عمل و عادات یہ وہ اہم عناصر ہیں جن میں سیرت کی تحلیل کی جا سکتی ہے [2] ۔ انبیاء سے بڑھ کر انسان شناس کون ہو سکتا ہے کہ وہ قوی تر

---

[1] القرآن ۵ : ۱۰۵ ۔ [2] قرآن اور تعمیر سیرت ص ۱۶۵

اور مصفّیٰ ترین بصیرت کے علاوہ ہر وقت علمِ الٰہی کی رہنمائی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا تعمیرِ شخصیت اور تصفیہ باطن کے لئے ان کا دیا ہوا پروگرام ہر زمانے میں موثر و کار آمد ہے۔

آنحضورؐ نے دعوت کا آغاز ایک ایسے معاشرے میں کیا جو مذہبی طور پر توہم پرست سیاسی طور پر غیر منظم، معاشی اعتبار سے لوٹ کھسوٹ کرنے والا خود غرض اور اجتماعی حیثیت سے ظالمانہ تفریق و امتیاز پر مبنی تھا۔ حب ذات، حب مال، حب جاہ اور لذائذ دنیا سے تمتع ہی وہ مقاصد تھے جن کے لئے ہر شخص کوشاں تھا۔ ایسے میں ایک چونکا دینے والی صدا آتی ہے، ایک انقلابی پیغام پہنچتا ہے اور دلوں کو مسخّر کرنے والی ایک دعوت ظاہر ہوتی ہے۔ توہم پرستانہ ماحول میں اٹھنے والی اس دعوت کے داعی کے سامنے ایک واضح پروگرام تھا۔ اور یہ پروگرام ایک لمحے کے لئے بھی داعی کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔ نبی کریمؐ نے آغاز نصب العین کے تعین سے کیا کیونکہ نصب العین کا تعین ہی فکر انسانی کو صحیح رُخ دیتا ہے۔ فکر صحیح سے عمل صالح کی بنیاد اُٹھتی ہے اور اعمال صالحہ کی تنظیم شخصیت کو دلنواز بناتی ہے۔ ترجیحات کی یہ ترتیب ہر دَور میں یکساں رہی ہے جس طرح باطل نے ہر دور میں فساد فکر و عمل کے راستے سے دعوت حق کو روکا ہے اسی طرح تزکیہ و تربیت اور اصلاح و تطہیر کا عمل بھی فکر و عمل ہی کے راستے سے ہوا ہے۔ پیغمبرانہ طریق کار ایسا حکیمانہ طریق کار ہے جو کبھی OUT OF DATE نہیں ہوتا۔ اسے جب کبھی منطبق کرنے کی سعی کی گئی ہے وہ تازہ بہ تازہ نو بہ نو کی صورت میں نظر آیا ہے۔ علامہ مرحوم نے عصر حاضر کی پیچیدگیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ٹھیک ہی تو کہا تھا ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

اس طریق کار کا پہلا قدم نصب العین کا تعین ہے ختمی مرتبتؐ نے اس اُلجھے ہوئے معاشرے کو نہ صرف صحیح نصب العین دیا بلکہ اس کے لئے علم و یقین کی بنیادیں فراہم کیں۔ نصب العین کا درست ادراک و فہم ہی انسانی شخصیت کو وہ بنیاد عطا کرتا ہے جس کے باعث اس کی پوری زندگی ایک مربوط مفید منظم اور نفع بخش صورت اختیار کر لیتی ہے۔ رسول اللہؐ نے توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کو واضح کرتے ہوئے اس وقت کے انسانوں کے واسطے سے یہ سمجھایا کہ انسان اس

کائنات کا مالک و حاکم نہیں بلکہ خالق و مالک اور حاکم مطلق ربّ کا خلیفہ اور روئے زمین پر اُس کا نائب ہے۔ اس نائب کی حیثیت سے اس کا نصب العین یہ ہے کہ وہ جس کا نائب ہے اُس کی رضا و خوشنودی حاصل کرے اور اس کی نظر میں ایک اچھا وفادار مندین اور فرض شناس ملازم قرار پائے ایک اچھےّ اور نیک نیت آدمی کی حیثیت میں اسے اپنے آقا کی خدمت بجا لانے اور رضا حاصل کرنے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں بنانا چاہیئے۔ اس کا صلہ وہی ہے جو اسے مالک کی اطاعت و وفا میں ملتا ہے۔ آپ نے ذاتی و دنیوی مفاد کی جگہ ایک مؤثر نصب العین دیا۔ یعنی اللہ کی ذات پر ایمان و ایقان اور اس کی رضا کا حصول اور اس طرح ان تمام مفاسد کی جڑ کاٹ دی جن کی وجہ سے معاشرہ جہنم بن جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نصب العین کو ذہن نشین کرانے اور قلب و روح میں بٹھا دینے کے لئے پوری کوشش کی گئی ہے اور اس کے سوا ہر دوسرے مطمح نظر کا پورے زور کے ساتھ ابطال کیا ہے۔ قرآن کا طالب علم جب اس مسئلہ پر اسالیب کا تنوع دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے مثلاً۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ [1]

آپ کہہ دیں کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔

پھر فرمایا:۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ [2]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں جن کے معاوضے میں ان کے لئے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔

---

[1] القرآن ۶: ۱۶۳، [2] القرآن ۹: ۱۱۱

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔[1]

اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر بیچ دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے

کتب احادیث میں آنحضورؐ کے بیشمار اقوال موجود ہیں جن میں تعلق باللہ اور رضاء الٰہی کے حصول کی دعوت ملتی ہے۔

عن سفیان بن عبد اللّٰہ الثقفی قال قلت یارسول اللّٰہ قل لی فی الاسلام قولًا لا اسال عنه احدًا بعدك قال: قل: اٰمنتُ باللّٰهِ ثمّ استقِم[2]

سفیان بن عبد اللہ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتائیں کہ آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں آپؐ نے فرمایا: کہو میں اللہ پہ ایمان لایا پھر اس پر جم جاؤ۔

عن ابی موسیٰ الاشعری قال جاء رجلٌ الی النبیؐ فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانه فمن فی سبیل اللّٰه؟ قال من قاتل لتکون کلمة اللّٰه هی العُلیا فهو فی سبیل اللّٰه[3]

ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ کے پاس حاضر ہوا کہ بولا اور کوئی شخص مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے کوئی شہرت و ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، فرمایئے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہ خدا میں ہے؛ حضورؐ نے جواب دیا کہ راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے۔

اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کا حصول تربیت نبوی کا پہلا سبق ہے۔ اس کے رسوخ

---

[1] القرآن ۲ : ۲۰۷ [2] مشکوٰۃ، کتاب الایمان، ۱۲ [3] بخاری، کتاب الجهاد، باب من قاتل لتکون کلمة اللّٰه هی (۱: ۲۵، ۲۶) مسلم، کتاب الجهاد ۶: ۴۶۔

پر ہی ایمان وعمل کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والا شخص یہ رسوخ دو طریقوں سے حاصل کرتا تھا۔ ایک استدلالی طریقہ اور دوسرا توجہ رسالت۔ رسول اللہؐ نے عقلی تجربی و شاہداتی دلائل سے توحید الوہیت و توحید ربوبیت کو پیش کیا اور روحانی توجہ سے مومنین کے قلوب و اذہان کو ثبات استحکام حاصل کرنے میں مدد دی۔ یہ گوناگوں عالم، یہ رنگا رنگ کائنات، یہ تاروں بھرا آسمان، یہ بوقلموں زمین، یہ سورج، یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھوں جاندار و بے جان اشیاء، یہ علل اور اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قویٰ اور ان کی باہمی ترتیب، موت وحیات کے اسرار، خواص و قویٰ کے رموز، انسان کی خیالی بلند پروازی اور عملی عجز و درماندگی یہ باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔ رسول اللہؐ نے ان تجربی و شاہداتی دلائل کو وحی کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا کہ تسلیم و ایقان کے بغیر چارہ ہی نہ تھا:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔[1]

بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے الٹ پھیر میں اور ان جہازوں میں جو انسانوں کے لئے فائدہ رساں سامان لے کر سمندر میں چلتے ہیں، اور آسمان سے اس کے پانی برسانے میں اور پھر اس پانی کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشنے میں اور زمین میں ہر طرح کے رنگ پھیلانے میں اور ہواؤں کے کبھی ادھر اور کبھی ادھر بہنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان بادل کام میں لگے ہیں۔ ان سب میں سوجھ بوجھ والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

Arguments

پورا قرآن عقلی و مشاہداتی دلائل سے بھرا پڑا ہے جن کے ذریعے ایک صاحب انسان درست فکر حاصل کر سکتا ہے۔ پھر آفتاب نبوت کی موجودگی ایمان و یقین محکم کرنے کا بے مثل ذریعہ تھی۔

[1] القرآن ۲: ۱۶۴۔

فیض نبوت سے وہ روشنی ملتی تھی کہ قلوب مُصفّا و پاکیزہ رہے حضرت حنظلہ نے اعلان کردیا ، کہ نافق حنظلہ حنظلہ منافق ہوگیا کیونکہ صحبت رسُول میں دل کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ غیر حاضری کی صورت میں نہیں ہوتی۔ انہیں تسلی دی گئی کہ یہ نفاق کی علامت نہیں بلکہ یہ بتاتا ہے کہ مومن کی عام زندگی اور بارگاہ رسالت میں حضوری کے درمیان کتنا انتیاز ہے۔

نصب العین کے یقین سے فکر صحیح کی بنیادیں مستحکم کی گئیں۔ معرفت الٰہی، جوابدہی کا احساس اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے جاں سپردگی کا شعور پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے فرد کی عملی زندگی کی طرف توجہ فرمائی ایثار و نفع رسانی کی صفات سے متصف کیا کون نہیں جانتا کہ عملی زندگی میں سب سے مہلک چیز انسان کی خود غرضی خود پسندی ہے۔ تمام اخلاقی رذائل کسی نہ کسی طرح انسان کی خود غرضی و خود پسندی سے آملتے ہیں۔ انسان کا حسد، اس کا بخل، کبر، ظلم، بغاوت، حرص و طمع بغض و کینہ، خیانت و بد دیانتی فضول خرچی و رشوت خوری، خوشامد و غیبت سب کچھ نفسی تسکین کی خاطر ہوتا ہے۔ رسُول اللہؐ نے اس کا علاج ایثار و نفع رسانی سے کیا

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۤءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ [1]	مسلمانو! اللہ عدل و احسان کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحشاء و منکر اور بغی سے منع فرماتا ہے تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

یہ آیت تعمیر سیرت کا مکمل پروگرام ہے اور ہر قسم کے فضائل و رذائل کو محیط ہے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ پہلے میں رسُول اللہؐ کی شرم و حیا سے اسلام لایا تھا۔ اسلام نے میرے دل میں پوری جگہ نہیں پکڑی تھی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایمان میرے دل میں راسخ ہوگیا۔[2] آنحضرتؐ نے فرد کی عملی تربیت کے لئے دو چیزوں کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ایک عبادت اور دوسرے خدمت خلق۔ عبادت کے ذریعے قرب الٰہی کا احساس اور جوابدہی کے تصور کو پختہ کرنا اور خدمت خلق کی وجہ سے فرد کے اندر یہ احساس پیدا کرنا کہ اس کا اصل کام نفع بخشی و فیض رسانی ہے۔ اس کے ذریعے

---

[1] القرآن ۱۶: ۹۰۔ [2] مسند احمد عن ابن عباسؓ

ایثار وقربانی کا بے نظیر جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں سر فہرست مالی ایثار ہے اس سے فرد کے اندر ایسا انقلاب آتا ہے کہ وہ مفاد پرست معاشرے میں اس طرح منفرد و ممتاز نظر آتا ہے جیسے مٹی کے ڈھیر میں سونا چمکتا دکھائی دے۔ حضور اکرم ؐ نے جذبہ ایثار کی آبیاری کر کے فرد کے اندر سے مفاد پرستانہ رجحانات کا قلع قمع کر دیا قرآن وسنت میں ان مثالی انسانوں کے جذبہ ایثار کی بے نظیر مثالیں موجود ہیں قرآن پاک میں مومن وکافر کے امتیازات بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ [1]

مگر وہ گھاٹی پر ہو کر نہ گزرا اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی کی گردن چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار یا فقیر خاکسار کو پھر ان لوگوں میں بھی داخل ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور (لوگوں) پر شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے یہی لوگ صاحب سعادت ہیں۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ [2]

وہ جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے بچا لیا جائیگا جو مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو اور اس لئے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اُتارتا ہے بلکہ خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جائیگا۔

اس آیت میں مالی قربانی کو تزکیہ کہا گیا ہے یہ مکی آیات ہیں اور ان میں جن اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق حسن معاملہ اور مالی ایثار سے ہے۔ یہ حضورؐ کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب بحرین فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار کی جاگیروں میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ ان ایثار کے پیکر مدنیوں نے عرض کی جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ ملے ہم کو یہ منظور نہیں۔[3]

ایک دفعہ ایک بھوکا آدمی رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا۔ کاشانہ نبوی میں اس وقت پانی

---

[1] القرآن ۹۰ : ۱۱-۱۸ [2] القرآن ۹۲ : ۱۷-۲۱ [3] بخاری، باب مناقب الانصار ۵۰ : ۴۷

کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا، جو شخص آج کی رات اس کو اپنا مہمان بنائے گا۔ اللہ تعالےٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ یہ سعادت ایک انصاری کو حاصل ہوئی اور وہ اس کو اپنے گھر لے گئے۔ بیوی سے پوچھا گھر میں کچھ ہے؟ بولیں صرف بچوں کا کھانا، کہا بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو۔ ہم دونوں رات بھر بھوکے رہیں گے البتہ مہمان پر ظاہر کریں گے کہ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، صبح رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک پر بہت خوش ہوا ہے[1]

بعض روایات کے مطابق سورہ حشر کی آیت کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہے۔

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[2]

اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو ان مہاجر بھائیوں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاتے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔

نصب العین سے وابستگی اور ایثار و نفع رسانی سے انصاف کی جو تربیت رسول اللہؐ نے فرمائی اس سے افراد کا ایک ایسا گروہ تیار ہوا جو قیامت تک کے لئے مثالی کردار متصور ہوتا رہے گا یہ امر واضح ہے کہ یہ سب کچھ اس بے مثل مزکّی و مربّی شخصیت کا فیض تھا۔ تربیت پانے والے ہر لمحہ اپنے مزکّی و مربّی کی شخصیت کو سامنے رکھتے اور اس سے عرفان و عمل کا فیض حاصل کرتے۔

آج ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ان افراد کا حصول ہے جو معرفت الٰہی کے حامل اور ایثار پیشہ و نفع رساں ہوں۔ نفسا نفسی اور کشاکش کے اس دور میں فیض نبوت سے مستنیر ہونے والے باصلاحیت افراد مہیا ہونے سے ہی اس ملت کی مشکلیں دور ہو سکتی ہیں۔ وہ دل مطلوب ہیں جو ذکر الٰہی سے منور، حب رسول سے معمور اور خلق خدا پر شفقت و رحمت کے جذبے سے سرشار ہوں۔ تربیت نبوی سے فیض یابی کے لئے آمادہ اور اسلامی سیرت کے دلدادہ افراد ہی کے وجود سے وہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ جو ہم انفرادی و اجتماعی زندگی میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اقبال کی

---

[1] مسلم، کتاب لاشربہ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ ج ۲ ص ۱۹۸ ، بخاری کتاب التفسیر ۶ : ۱۸۵
[2] القرآن ۵۹ : ۹۔

اس آرزو پہ بات ختم کرتا ہوں ؎

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر　　حریم کبریا سے آشنا کر
جنہیں نانِ جویں بخشی ہے تونے　　انہیں بازوئے حیدر بھی عطا کر

مراجع

القرآن الکریم

امام غزالی　احیاء علوم الدین　مصطفیٰ البابی مصر　۱۹۳۹/۱۳۵۸
البخاری، محمد بن اسماعیل　الجامع الصحیح　مصطفیٰ البابی　۱۹۵۴
خطیب التبریزی　مشکوٰۃ المصابیح　اصح المطابع دہلی
سید ابوالاعلیٰ مودودی　تفہیم القرآن　مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور
" " "　اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی　اسلامک پبلیکیشنز　۱۹۶۵
سید سلیمان ندوی　سیرۃ النبیؐ　اعظم گڈھ ہند　۱۹۶۲/۱۳۸۲
مسلم بن الحجاج　الجامع الصحیح　محمد علی　داؤ ولادہ　۱۹۵۴
مولانا امین احسن اصلاحی　تزکیہ نفس　ملک برادرز - لائلپور　۱۹۶۱
مولانا نعیم صدیقی　محسن انسانیت　مکتبہ رحمانیہ سرگودھا　۱۹۶۰
میر ولی الدین　قرآن اور تعمیر سیرت　ندوۃ المصنفین دہلی　۱۹۶۴

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سب کے، اور سب کے لئے

(حافظ نذر احمد، پرنسپل شبلی کالج۔ لاہور)

دنیا کے کچھ محسن

دنیا میں ہزاروں لاکھوں بڑے انسان ہوئے ہیں، جن کی بدولت نوعِ انسانی زیادہ مہذب زیادہ طاقت ور، زیادہ باشعور، اور زیادہ ترقی یافتہ بنی۔ ان میں افلاطون، ارسطو، کانٹ، ابنِ رشد اور غزالی جیسے فلسفی۔ نیوٹن، ڈارون اور آئن سٹائن جیسے سائنسدان۔ گوئٹے، شکسپیئر، رومی، اور اقبال جیسے شاعر۔ میکسیم گورکی، ٹالسٹائی اور برناڈشا، شیخ سعدی جیسے ادیب۔ اور متعدد نیک نہاد حکمران، فاتح، مقنن، مصلح اور دوسرے سب ہی طرح کے عظیم المرتبت لوگ شامل ہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے رنگ میں نوعِ انسانی کی خدمت کی۔

شاعر نے اپنے حسنِ تخیل اور ذوقِ نظر کی جولانیاں دکھا کر دنیا کو کیف و سرور بخشا۔ فلسفی نے اپنی عقلِ رسا سے موت و حیات کی گتھیاں سلجھا کر ذہنِ انسانی کی پیاس بجھائی اور اسے جلا بخشی سائنسدان نے فطری قوتوں کی تسخیر کر کے اور نت نئی ایجادوں سے دھرتی کی جھولی بھر دی۔ ادیب اور فنکار نے معاشرہ کی خرابیوں کی نشاندہی کی۔ حکمران اور فاتحین نے نئی سرحدیں کھولیں اور قوموں کو نئے میدانوں سے روشناس کرایا۔ مقنن اور مصلحین نے زندگی کے نظم و ضبط اور اخلاق و اقدار کی اصلاح کی راہیں دکھائیں۔ بلاشبہ ان حضرات کی مساعی اس کرۂ ارضی پر بسنے والوں کی بہتری اور بھلائی کا باعث ہوئیں

انبیاء و رسل اصل محسن

لیکن ان سب کے سوا، اور ان سب سے بلند تر اللہ کے برگزیدہ بندوں، انبیاء و رسل کا گروہ

ہوا ہے جو نوعِ انسانی کا اصل محسن ہے۔ جس کے احسانات اولادِ آدم پر ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ یہ حضرات ان سب سے منفرد اور عظیم ہیں۔ اگر تمام انسانی مساعی نے تصویرِ حیات کی نوک پلک درست کی ہے، اور اس کو آب و رنگ دے کر جاذبِ نظر بنایا ہے، تو یہ صرف اور صرف اللہ بزرگ و برتر کے ان برگزیدہ بندوں کا گروہ ہے۔ جس نے اس تصویر میں جان ڈال کر اسے جذبِ دروں بخشا ہے۔ اگر اس مقدس جماعت کے پاک بندے مبعوث نہ ہوتے تو نوعِ انسانی کو شائد چلنا تو آتا مگر اس کے قدم صحیح جہت اور منزل سے کبھی آشنا نہ ہوتے۔ اس کی آنکھیں دیکھ تو سکتیں، مگر صرف سطحی اور اُوپر کی چیزوں کو۔ اس کے کان سُن تو لیتے مگر بھدّے اور عارضی سُروں کو۔ کائنات کے حقیقی آہنگ کے لطف اندوز ہونے اور حُسنِ عام کے جلووں سے فیضیاب ہونے کا سلیقہ اس معصوم اور برگزیدہ گروہ نے سکھایا ہے۔

نبی اور رسول ہر دَور میں آئے، ہر قریہ و بستی میں آئے، ہر زمانہ میں اُن کی آمد ہوئی، اور ہر قوم میں اُن کی بعثت ہوئی جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱۳: ۸) وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳۵: ۲۴) ان کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں سے بڑھ کر ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ ان سب پر اللہ کا درود و سلام ہو۔

ان کا آنا بڑا ضروری اور نہایت مُبارک تھا کہ وہی اپنے دور کے رہنما، اور اپنی قوم کی کشتی کے کھِویّا تھے۔ وہ اپنے لوگوں کی ہدایت اور فوز و فلاح کے لئے روشنی کا مینار تھے، دُنیا اور آخرت کی سعادتیں ان کو قبُول کرنے اور ان کے پیروی کرنے سے وابستہ تھیں۔

سب جانے کو آئے

لیکن کیا کیجئے، جو بھی آیا وہ جانے کے لئے ہی آیا۔ ہر آنے والے کے لئے جانا مقدر تھا حکمتِ الٰہی ہی کچھ ایسے تھی۔ ایک کا کام ختم ہوا تو دوسرے کا زمانہ آگیا۔ لیکن وہ ایسے گئے کہ اکثر و بیشتر کے نشانِ پا اور آثار تک باقی نہ رہے اُن کی اپنی اقوام نے اُنہیں ایسے کھویا کہ اُن کے تذکرے بھی بھُلا دیئے۔ اُن کے صحیفے اور کارنامے تو بڑی بات ہیں۔ اُن کے اسمائے گرامی تک یاد نہ رکھے۔ وہ جو اپنے اپنے ادوار میں روشنی کے مینار تھے اور ہدایت کی شمع تھے۔ آج ان

ایک لاکھ بیس ہزار میں سے معدودے چند کے سوا باقی کے نام تک کسی کو معلوم نہیں۔ ہدایتِ سماوی کے نام سے جو چند کتابیں اور صحیفے دستیاب ہیں۔ ان کے بھی اصل نسخے موجود نہیں۔ وہ جن زبانوں میں اُتری تھیں وہ زبان تک مٹ چکی ہیں۔

دُور کی بات چھوڑیئے۔ بھارت میں وید بطور ایک کتاب مقدس پڑھی جاتی ہے لیکن اس کے بارہ میں کوئی نہیں بتلاتا وہ کس پہ یا کن پر اُتری تھی؟ کہاں نازل ہوئی تھی؟ اس کی زبان کیا تھی؟ کس زمانہ میں اس کا نزول ہوا تھا؟ ایک وید پر کیا منحصر ہے اکثر و بیشتر کا یہی حال ہے۔

قانونِ فطرت

قانونِ قدرت یہ ہے کہ کوئی شے جسقدر اور جتنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے اُسی قدر قدرت اس کی نگہداشت کا سامان کرتی ہے۔ اور ہر شے اس وقت تک محفوظ رکھی جاتی ہے جب تک اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب نوعِ انسانی کے لئے اُس کی افادیت ختم ہوجاتی ہے تو اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا، کلام اللہ کی یہ آیت اِس سنتِ الٰہی کی نشاندہی کرتی ہے۔

انزل من السمآء ماءً فسالت اودیۃٌ بقدرھا فاحتمل السیل زبدًا رابیا ؕ ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیۃٍ او متاعٍ زبدٌ مثلہ ؕ کذٰلک یضرب اللہ الحق والباطل ؕ فاما الزبد فیذھب جفاءً ۚ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ؕ

" اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ اس سے اپنے اپنے اندازہ کے مطابق ندی نالے بہہ نکلے۔ پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آگیا۔ اسی طرح جس دھات کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں۔ اس پر بھی ایسا ہی جھاگ آجاتا ہے، سو جھاگ تو سوکھ کر ختم ہوجاتا ہے، اور پانی جو نوعِ انسانی کے کام آتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔ اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال واضح فرماتا ہے " (الرعد ۱۳:۱۷)

اس قانونِ انفع للبقا کا تقاضہ تھا کہ آنے والے حضرات انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

پوری تابانی کے ساتھ آئے لیکن جب اُن کا دور ختم ہوگیا تو وُہ اذہان و قلوب سے بھی محو ہو گئے۔

حضرت ختم الرُسل ؐ کی آمد

اِن سب کے بعد، سب کے آخر میں محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم الرُسل اور رحمۃ للعالمین بن کر آئے۔ وہ سب کے لئے آئے۔ ان کے آنے پر آنے والوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب کسی آنے والے کی گنجائش اور حاجت نہ رہی۔ اس لئے کہ سب سے بعد میں، اور سب کے لئے آنے والا جانے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ قیامت تک کے لئے رہنے کے لئے آیا۔ درود وسلام ہو اللہ کا اس پیاسں کی آل اور اصحاب پر)

یہ ایک اور صرف ایک اس شان سے آیا کہ اُس کا آفتابِ رسالت چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ وہ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس کا نام بلند ہوُا اور بلند ہی ہوتا جا رہا ہے کہ ورفعنالك ذکرك اُس کے لئے اُتری ہے (الانشراح ۹۴:۴)

اُس نبی اُمّی ؐ کی کتاب القرآن دن رات، صبح وشام، ہر آن اور ہر لمحہ پڑھی جا رہی ہے مشرق ومغرب میں شمال وجنوب میں، اپنے پرایوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی گئی، اور پڑھی جا رہی ہے۔ اس کا نام ہی القرآن، سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

بلا ریب یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو اوراق کے سفینوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں سینوں میں محفوظ ہے۔ جس کا ایک ایک جملہ، اور ہر جملہ کا ایک ایک لفظ، ہر لفظ کا ایک ایک حرف اور حرکت بجنسہ محفوظ ہے۔ اُس کی زبان عربی جو صدیوں کی طویل مدت گزر جانے کے باوصف اسی طرح محفوظ اور زندہ وتابندہ ہے۔ ایک دو بستیوں میں نہیں درجن بھر سے زیادہ ملکوں کی قومی اور مادری زبان ہے کسی زبان کا اس قدر مدتِ مدید گزر جانے کے باوجود اپنی اصل صورت میں، بول چال، اور نوشت وخواند میں بجنسہ رائج رہنا بجائے خود ایک معجزہ سے کم نہیں۔ نہ صرف یہ کہ کروڑوں انسان اسے سمجھتے اور بولتے ہیں، بلکہ اس آخری کتاب کے پڑھنے کا لب ولہجہ تک محفوظ ہے۔ اس کی تلاوت کرنے والا کسی خطہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کا اپنا لب ولہجہ کچھ بھی ہو، جب وہ اس کتاب پاک کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا انداز وہی مکی، مدنی اور

حجازی ہوتا ہے۔

یہ سب کچھ اہتمام کیوں ہے؟ نہ یہ خالص انسانی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ نہ ازخود حادثاتی طور پر ہوا ہے۔ بلکہ یہ مشیتِ الٰہی ہے اس لئے کہ سب کے آخر میں آنے والا، اور اللہ کریم کی آخری کتاب لانے والا آنے ہی کے لئے آیا تھا۔ وہ سب کا تھا اور سب کے لئے ہے۔ وہ کسی خاص قبیلہ اور قوم کے لئے نہیں آیا تھا۔ اس کا مخاطب کوئی خاص طبقہ یا ملک و ملت نہ تھا۔ اس نے یا ایّھا النّاس کہہ کر نوعِ انسانی کو دعوتِ ایمان دی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمارے اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اشاروں کنایوں میں کسی کی تنقیص کر رہے ہیں، نہیں ہم کبھی اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ لا نفرق بین احد من رسلہ (البقرہ ۲: ۲۸۵) ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ ہم ہر نبی اور رسول کو ماننے والے ہیں، سب کی عزت کرنے پر مامور ہیں، ہماری کتاب سب پہلوں کی مُصدق اور ان سب کی مہیمن ہے۔

محمد رسول اللہ سب کے ہادی

ہادیٔ کل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب میں ہوئی، لیکن وہ عربی نہیں کہلائے! ان کا لقب رسولِ عرب نہیں بلکہ "رسول اللہ" ٹھہرا۔ وہ "ربّ العالمین" کی کتاب قرآن مجید لے کر آئے جس کا ایک وصفِ خاص "ذکر للعالمین" ہے۔ اور خود اُن کا لقب "رحمۃ للعالمین" ہے۔

قرآن مجید کا اوّلین خطاب پہلے پارہ کے تیسرے رکوع میں یا ایھا الناس کے الفاظ سے ہوا ہے پہلے خطاب پر کیا موقوف ہے قرآن مجید میں از اوّل تا آخر مخاطب نوعِ انسانی سے ہے۔ کہیں بھی یا اہل مکہ یا اہل یثرب یا ایھا العرب کہہ کر دعوت نہیں دی گئی۔

اللہ بزرگ و برتر کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں بے شمار معاشی معاشرتی، سیاسی وغیر سیاسی گوناگوں مسائل سے دوچار رہے۔ شب و روز اپنے پرایوں کی بے شمار گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے، بقول صاحب "النبی الخاتم" ۱۳ سالہ مکی دور دل کے امتحان میں گزرا۔ اور مدنی زندگی کے دس سال کا عرصہ دماغ کے امتحان کا تھا، دشمنانِ حق کے حملے، مدافعانہ جنگیں اور غزوات ان کے سوا تھے۔ اس کے باوصف آپ نے اپنا فریضۂ دعوت و رسالت

اقصائے عالم تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ مختلف سمتوں میں مبلغ اور داعی بھیجے۔ وفودِ رسالت روانہ کئے۔ مختلف حکمرانوں اور سربراہوں کو دعوتِ حق کے مکتوب بھیجے۔

دعوتِ حق

(الف) شاہانِ عالم کے نام

نجاشی اصحم	شاہِ حبشہ کے نام	قاصد	حضرت جعفر طیار اور عمرو بن اُمیہ
مقوقس	والی مصر	" "	حاطبؓ بن ابی بلتعہ
کسریٰ خسرو پرویز	شہنشاہ ایران	"	عبداللہ بن حذافہؓ
ہرقل	قیصر روم	"	دحیہ کلبیؓ

(ب) والیانِ ریاست اور رؤسا کے نام

ہوذہ بن علی	والی یمامہ	"	سلیطؓ بن عمرو
منذر بن ساوی	والی بحرین	"	علاءؓ بن الحضرمی
جیفر اور عبید	شیوخ عمان	"	عمروؓ بن العاص
حارث غسانی	والی دمشق	"	شجاعؓ بن وہب اسدی
ملک بازان	حاکم یمن	"	حضرت معاذ بن جبلؓ

(ج) مزید برآں

شاہانِ حمیر، پاپائے رُوم، اور یہودِ خیبر کے نام مکتوب ارسال فرمائے۔

ان مکاتیب میں بالعموم ایک ہی پیغام دیا گیا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ میں اس کا رسول ہوں۔ رسالت کا اقرار کرلو اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ بھیجی ہے اسے تسلیم کرلو۔ فلاح پاؤ گے۔

ان کے سوا مجموعۃ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی (مطبوعہ مصر ۱۹۴۱ء) میں تقریباً پونے تین صد عہدِ نبوی کے سیاسی مکتوب شامل ہیں۔ محققِ شہیر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی مطبوعہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء میں مزید ڈیڑھ درجن مکتوبات کی نشاندہی کی ہے۔

محمد رسول اللہؐ سب کے لئے

ہم ابھی تفصیل کے ساتھ یہ عرض کر چکے ہیں کہ انبیائے سابقین کی دعوت کسی مخصوص قوم یا محدود دائرہ کے لئے تھی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

ولقد ارسلنا نوحًا الیٰ قومه (۷ : ۵۹)

والیٰ عاد اخاهم هودا (۷ : ۶۵)

والیٰ ثمود اخاهم صالحاً (۷ : ۷۳)

والیٰ مدین اخاهم شعیبا (۷ : ۸۵)

واتخذ قوم موسیٰ من بعدہٖ... (۷ : ۱۴۹)

یہ صرف ایک سورہ اعراف کے حوالے ہیں کہ اللہ رب العزت نے حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا حضرت ہودؑ اور صالحؑ کو ان کی قوم عاد و ثمود کی جانب بھیجا حضرت شعیبؑ مدین میں آئے۔ اور حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کے لئے آئے (ان سب پر اللہ کا سلام ہو)

قرآن مجید میں سورۃ یونس ایک مستقل سورۃ کا نام ہے اس میں بھی حضرت یونسؑ کی دعوت ان کی اپنی قوم کی طرف ہے (۱۰ : ۹۸) اس طرح سورۃ ہود میں حضرت لوطؑ کی دعوت کے مخاطب ان کی اپنی قوم کے افراد ہیں۔

جبکہ شافع محشر، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و رسالت پوری نوع انسانی اور کل کائنات ارض و سماوی کے لئے ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(الف) تمام انسانوں کے لئے

وما ارسلنٰك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (سبا ۳۴ : ۲۸)

انا ارسلنٰك للناس رسولا (النسا ۴ : ۸۰)

قل يا ايها الناس انى رسول الله اليكم جميعاً (الاعراف ۷ : ۱۵۸)

آخری آیت اس سورہ اعراف سے ہے جس میں متعدد حضرات انبیائے کرام کا ذکر ہے کہ اپنی قوم یا اپنی بستی کے لئے آئے تھے۔

(ب) تمام جہانوں کے لئے

ارشادِ ربّانی ہے کہ آپ کی دعوت تمام جہانوں کے لئے ہے۔

تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعلمین نذیرا (الفرقان ۲۵:۱)

(ج) دُوسری مخلوق کے لئے

آپ کی رسالت صرف انسانوں تک نہیں بلکہ جنات اور فرشتوں کے لئے بھی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک مستقل سُورۃ "الجن" ہے۔

سورۃ الاحقاف کی آیت ہے واذ صرفنا الیك نفرامن الجن یستمعون القرآن۔

(۴۶:۲۹)

(د) سب کے لئے رحمت

حضور پُرنور (فداہ ابی وامی) کا وجودِ سراپا جود سب کے لئے رحمت بن کر آیا۔

وہ ہر کمزور فرد کے لئے رحمتِ مجسم تھے وہ عورت ذات ہو یا اُس دور کے لاچار غلام یا دنیا کے بےکس درماندہ افراد ہوں۔

وہ حیوانات، طیور اور کیڑے مکوڑوں تک کے لئے رحمت تھے۔ احادیث مبارکہ کے اوراق اُن کی مثالوں سے پُر ہیں۔

انہوں نے اپنی رحمت سے سرسبز کھیتوں کو، پھل دار درختوں کو، اور نباتات تک کو نوازا۔

دوست ایک طرف رہے انہوں نے دشمنوں کو بھی نوازا۔

ان کا عدلِ کامل سب پر محیط رہا۔

صلح حدیبیہ کا معاہدہ، میثاق مدینہ کی شرائط، فتح مکہ کا عملی نمونہ اُن کی کامل رواداری اور رحمتِ کاملہ کے روشن مظاہر ہیں۔

واقعی وہ سب کے تھے، سب کے لئے تھے۔

ہمارے لئے لمحۂ فکریہ

اب سوال یہ ہے کہ آج دنیا رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں سے کیسے متمتع ہوگی؟ یہ

سایۂ رحمت اقوام و اُمم عالم پر کیسے سایہ فگن ہوگا؟ یہ فریضہ اب کون ادا کرے گا؟ چار دانگ عالم میں پیغام حق کون پہنچائے گا؟ بھٹکی ہوئی اور راہ گم کردہ انسانیت کو صراط مستقیم کون دکھائے گا؟

کیا ہم نے اس کے لئے کوئی اجتماعی تدبیر سوچی ہے؟ اس مقصد کے لئے کوئی منصوبہ بندی کی ہے؟ کوئی تربیتی ادارہ قائم کیا ہے؟ کیا ہماری کوئی جماعت اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سرگرم عمل ہے؟

ان تمام بنیادی سوالات کا جواب اثبات یا منفی میں سننے بغیر بندہ سورۂ توبہ کی اس آیۂ کریمہ کی طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

وما کان المومنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔

سورۂ انفال اور سورۂ توبہ جہاد کی سورتیں ہیں ان میں اول سے آخر تک جہاد کے مسائل اور احکام مذکور ہیں اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے بعد تقریباً سورۃ کے بالکل آخری حصہ میں یہ آیت نازل فرمائی "یہ مناسب نہ تھا کہ سب مومن نکل کھڑے ہوں۔ سو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکل آتا تاکہ وہ علم دین سیکھتے اور اس میں تفقہ پیدا کرتے۔ بعد ازاں جب اپنے لوگوں کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے۔" (التوبہ ۹: ۱۲۲)

ازبس ضروری ہے کہ اقوام و اُمم عالم کو پیغام حق پہنچانے کے لئے افراد تیار کئے جائیں اس مقصد کے لئے مستقل ادارے قائم ہوں۔ جہاں علوم اسلامی کے ساتھ مشرق و مغرب کی مقامی بولیاں، بین الاقوامی زبانیں سکھائی جائیں۔ تقابل ادیان کا مطالعہ اور دوسری اقوام کی تاریخ و ثقافت سے آگاہی نصاب کا ایک حصہ ہو۔ تبلیغ اور دعوت بطور سائنس نصاب میں شامل ہو۔

مشرق سے نکلنے والی کرنیں اور مغرب سے چلنے والی لہریں پتہ دے رہی ہیں کہ یہ صدی اسلام کی ہے۔ اسلام کے احیاء کی نہیں اسلام کے نفوذ اور نفاذ کی ہے۔ اسلام غالب آکر رہے گا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس میں ہمارا کس قدر حصہ ہے۔

اِتّباعِ رسُول کیوں؟

(سیّد فیض الحسن فیضی، راولپنڈی)

دورِ حاضر میں علم و دانش کی فراوانی اور مادّی اسباب کی ہر سہولت میسّر ہونے کے باوجود جب ہم دنیائے اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر طرف اضطراب و کرب کا ایک عالم دکھائی دیتا ہے۔ کفر کی یلغار ہے۔ دشمنوں کی سازشیں ہیں۔ اپنوں کی بیگانگی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ سب کچھ کیوں؟

غارِ حرا سے طلوع ہونے والے آفتاب نے تو ہر طرف اُجالے بکھیر دیئے تھے۔ ہر آنے والی صبح کو سعادت بکنار کر دیا تھا۔ دنیا والوں کو ایک نئی زندگی بخشی تھی۔ گردشِ وقت کو بدل کر رکھ دیا تھا لیکن آج کی ہماری دنیا میں اُس کتابِ حیات کا ورق ہی اُلٹا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ اسلام کے اصول عقائد آج بھی اپنی جگہ قائم ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ توحید و رسالت آج بھی دینِ اسلام کا طغرائے امتیاز ہیں مگر آج کا مسلمان ہے کہ زندگی کی تگ و دو میں نہ تو دوسری اقوام کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ ہی اپنے زندانِ غم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ حال مست رہنے کی یہ روش اُسے مہنگی پڑ رہی ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر	از نبیؐ تعلیم لاتحزن بگیر
ایں سبق صدّیق را صدّیق کرد	سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد
از رضا مسلم مثالِ کوکب است	در رہِ ہستی تبسّم بر لب است

گر خدا داری زغم آزاد شو
از خیالِ بیش و کم آزاد شو

اور تاریخ شاہد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم "لا تھنوا ولا تحزنوا

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ، نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کرو اور تمہیں غالب آؤ گے بشرطیکہ تم مومن بن کر رہے ۔ اس تعلیم نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا کہ ان کے ذہن بدل گئے تھے ۔ سوچ کی راہیں تبدیل ہو گئی تھیں ۔ کردار نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا تھا ۔ خیر و شر کے معیار اور ہو گئے تھے اور تمدن کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جو اس انقلاب سے متاثر نہ ہوا ہو ۔ اس انقلاب نے تخریب کو تعمیر کی طرف لگایا اور زوال کو کمال کے ارتقائی مراحل دکھا کر انسانیت کو نشاۃ ثانیہ عطا کی ۔ نظامِ حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو وہ روشنی ملی کہ ایک سنہری دور کا آغاز ہو گیا جو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ان کنتم مومنین کی شعاعوں سے جگمگاتا رہا ۔

یہی دور تھا جس میں اُمت مسلمہ پر یہ کہتے ہوئے دو فرائض عائد کئے گئے تھے کہ کنتم خیر امۃٍ اُخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ۔ تم لوگ وہ بہترین امت ہو جسے انسانیت کی بھلائی کے لئے مامور کیا گیا ہے ۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو ۔ امر معروف اور نہی منکر کا یہی کام ایک مقدس امانت کی صورت میں امت کو تفویض ہوا کہ زندگی جب کبھی اپنے مسائل میں اُلجھ جائے اور انسانیت صراط مستقیم سے بھٹکتی ہوئی نظر آئے تو پوری امت پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں تک دعوتِ دین پہنچانے میں کسی طرح کی کوتاہی سے کام نہ لے ۔

کیا ملتِ مسلمہ اپنے اس فرض سے عہدہ برآ ہو رہی ہے ؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے ، تو کیوں ؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو فراموش کر دیا ہے ۔ اُس نظام حق کو اپنانے میں کوتاہی سے کام لیا ہے جو تمام ادیان پر غلبہ پانے کے لئے آیا تھا ۔ بعثتِ رسول کی غرض و غایت اور کیا تھی ؟

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون

وہی ذات پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کے لئے یہ باعث کراہت ہی کیوں نہ ہو ۔ غلبۂ دین کا اصل مقصد قوتِ عمل کی بیداری ہے لیکن ہم ہیں کہ قوتِ عمل تو خواہ مخواہ مفلوج بنا رکھا ہے ۔ چنانچہ اس کا جو نتیجہ

برآمد ہونا تھا وہی ہوا۔ یعنی اسلام کا وہ غلبہ باقی نہ رہا۔ نتیجتاً اسلام دشمن طاقتوں نے پھر اسلام کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی ہے۔ اور بقول اقبال ہماری اپنی حالت بھی یہ ہے ؎

مومن و پیشِ کساں بستن نطاق — مومن و غداری و فقر و نفاق

با پشیزے دین و ملت را فروخت — ہم متاعِ خانہ و ہم خانہ سوخت

لا الٰہ اندر نمازش بود و نیست — نازھا اندر نیازش بود و نیست

نور در صوم و صلاۃِ او نماند — جلوۂ در کائناتِ او نماند

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ

فتنۂ او حُبِ مال و ترسِ مرگ

یہ حُبِ مال اور ترسِ مرگ کے فتنے ہیں جنہوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور غالباً اسی لئے ناکامی و نامرادی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ اسی کا نام خدا و رسول سے اعراض ہے۔ اس کے برعکس اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے ایسی استقامت نصیب ہوتی ہے جو تمام جذبات پر غالب آ جاتی ہے۔ یہی وہ استقامت ہے جو نفسانی زندگی کو کالعدم کر دیتی ہے اور انسان بلیٰ من اسلم وجھہٗ للہ وھو محسن کے تحت ذبیحہ بن کر اللہ کے آگے اپنی گردن رکھ دیتا ہے اُس کے وجود کے تمام پرزے اور نفس کی تمام قوتیں قربانِ خداوندی سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور وہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھتا ہے۔

انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہِ رب العالمین ط

میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اس منزلِ استقامت تک پہنچ ہی نہیں سکے۔ اس میں قصور خود ہمارا ہے ہم مجرم ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ تو کیا لیکن اسے دل و دماغ میں جگہ نہیں دی۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ بیشک اللہ کے رسولؐ کی ذاتِ اقدس میں تمہارے لئے قابلِ تقلید نمونہ تھا لیکن ہم اس نمونے کی تقلید نہ کر سکے۔ امرِ ربّانی کا حامل یہ رسول یقینِ محکم اور توحید کی شعاعوں سے جگمگاتی ہوئی شمع بن کر انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لئے آیا تھا۔ ایک ملت واحدہ کو تشکیل دینے کا پیغام اُس کے پاس تھا۔

اس امام انسانیت نے دنیا کے سامنے اپنے عمل و کردار کا نمونہ پیش کر کے سب سے پہلے عالمی تاریخ میں حیاتِ ابدی کے درخشاں باب کا اضافہ کیا۔ زندگی کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی اور شگفتگی رقص کرنے لگی۔ نیک سیرتوں پر نکھار آگیا۔ یہ سب کچھ اس لئے رحمتِ مجسم بن کر آیا تھا اور قرآن نے خود اس کی تصدیق بھی فرمائی تھی کہ۔

اے محمد! ہم نے تم کو انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

ہمیں بجا طور پر اس رحمت للعالمین سے اپنی نسبت پر فخر ہے کہ ہم اس کی امت میں ہیں۔ آج کے حالات میں وقت کا سب سے اہم اس کی امت میں ہیں۔ آج کے حالات میں وقت کا سب سے اہم تقاضا اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اس محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو نہ صرف اپنانے کی کوشش کریں بلکہ اس نبیؐ برحق کی ہستی اور ان کے زریں کارناموں سے دنیا کو بھی متعارف کرائیں اور اللہ کے دین کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ اُس نظام پر عمل پیرا ہوں جو دینی اور دنیوی فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم تہذیب حاضر کی جلوہ سامانیوں سے منہ موڑ کر آج کے مادہ پرست دور کے خلاف فکری بغاوت کا علم بلند کریں۔ حضور علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو اپنی عملی زندگی میں رہبر بنائیں تاکہ ہم انسانیت کے لئے راہ نجات دکھانے والی مثالی قوت بن کر اُبھریں جس کی جگہ تاریخ میں ابھی تک خالی پڑی ہوئی ہے۔

پندرھویں صدی ہجری کے پہلے ماہ ربیع الاوّل کا ہمارے لئے یہی پیغام ہے کہ ہم اقامت دین اور اسلامی نظام زندگی کے لئے اُسی طرح معروفِ جد وجہد رہیں جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندگی بھر جہد آزما رہے اسی میں ہماری کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ نبی آخرالزماں کا لایا ہوا دین ایک عالمگیر برادری کے قیام کا پیامی اور ہدایتِ ربانی کا ترجمان ہے۔ ایسی ہدایت جس کی روشنی میں انفرادی و اجتماعی تشخیص کی ہر دوا کو بخوبی پہنچایا جا سکتا ہے ؎

غنچہ از شاخسارِ مصطفےٰ — گُل شو از بادِ بہارِ مصطفےٰ

از بہارش رنگ و بو باید گرفت — بہرہ از خلقِ او باید گرفت

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است — در جہاں دست و زبانش رحمت است

آنکہ مہتاب از سرِ انگشتش دو نیم — رحمتِ او عام و اخلاقش عظیم

از مقامِ او اگر دُور ایستی — از میانِ معشرِ ما نیستی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ سب کیلئے ضروری ہے

(پروفیسر محمد اسلم، شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی)

انسان کی فطرت میں قدرت نے ایک خاص وصف پیدا کیا ہے۔ جس وقت کوئی شخص اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو دیکھنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کی پیروی کی جائے۔ جن کی طبیعت میں بُرائی کی جانب مائل ہونے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ دُوسروں کے بُرے کام دیکھ کر اُن کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور جن کی طبیعت نیکی کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے، وہ دوسروں کے اچھے کام دیکھ کر ان کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ جلد ہی دوسروں کی نقل کرنے لگتا ہے۔ جس وقت ہم کسی بڑے آدمی کی زندگی کے حالات پڑھتے ہیں تو لازمی طور پر ہم میں بھی اس جیسے کام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اُس کی زندگی کے تجربات سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ایک سمجھدار آدمی کی پہچان داناؤں کے نزدیک یہی ہے کہ وہ دُوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھائے اور حتی الوسع خود کو مشکلات و حوادث سے بچائے۔

ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے مشاہیر گزرے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام ہم اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ان کے حالات زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں کچھ مل سکتا ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے سکندر اعظم، چنگیز خان، اٹیلا اور ہلاکو خان کو ہی لیجئے۔ اُنہوں نے کئی ملک فتح کئے اور دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا۔ اُن کے نام اُن کی فتوحات کی وجہ سے روشن ہیں، لیکن جب ہم ان کے نام لکھتے ہیں تو نوکِ قلم سے روشنائی کی بجائے خون ٹپکنے لگتا ہے۔ وہ جدھر سے گزر گئے اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل اور مظلوموں کی سسکیاں چھوڑ گئے۔ ان ظالموں نے لاکھوں انسانوں کا ناحق خون کیا اور آج دنیا اُن کے نام پر تین حرف بھیجتی ہے۔ ہمارے زمانے میں ہٹلر اور مسولینی کے نام بچے بچے کی زبان پر تھے۔ وہ طوفان کی طرح اُٹھے، بادل کی طرح گرجے اور آندھی کی سی سرعت سے افقِ عالم

سے غائب ہو گئے۔ انہوں نے دنیا میں فتنہ و فساد کا بیج بویا۔ کروڑوں انسان اس فتنہ میں جان سے مارے گئے۔ لاکھوں عورتیں کے سہاگ لٹ گئے اور کروڑوں بچے یتیم ہو گئے۔ اس کے علاوہ لاکھوں انسان زندگی بھر کے لئے اپاہج ہو کر رہ گئے۔ آج لوگ ہٹلر اور مسولینی کا نام سنتے ہی اُن سے بیزاری کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ وہ بڑے لوگ ضرور تھے لیکن اُن میں ایسی کون سی بات تھی جس کی ہم تقلید کریں۔

ہندوستان میں صدیوں پیشتر شری کرشن چندر مہاراج اور شری رام چندر جی بلا شبہ بڑے انسان گزرے ہیں آج کروڑوں انسان ان کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے کرشن چندر جی کی تقریر بھگوت گیتا میں پڑھ کر اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اولیاء اللہ میں سے تھے[1]۔ ان کے کلام سے بزرگی اور شرافت ٹپکتی ہے۔ لیکن آج ہندوؤں نے جس رنگ میں اُن کی زندگی پیش کی ہے، اُس سے خود بعض سمجھدار ہندو بیزار ہیں ان کی زندگی میں کوئی قابل رشک یا لائق تقلید چیز نہیں ملتی۔ اسی طرح شری رام چندر جی کے واقعات زندگی رامائن میں پڑھنے سے ان کی حق گوئی، اطاعت والدین اور سادہ زندگی کا پتہ چلتا ہے لیکن اُن کی ازدواجی زندگی بڑی تلخ رہی ہے۔ پہلے راون ان کی شریک حیات کو اٹھا کر لے گیا، بعد ازاں لوگوں کے طعنے سن کر انہوں نے سیتا کو گھر سے نکال دیا۔ ہندوؤں نے ان دونوں بزرگوں کو انسان سے بھگوان بنا دیا۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کبھی کبھی انسان کے روپ میں بھی جنم لیتا ہے اور یہ دونوں بزرگ خدا کے اوتار تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک عاجز انسان ایک دیوتا کی پیروی کرے۔ انسان تو محض انسان کی ہی تقلید کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اگر خدا فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجتا تو اُسے انسانی شکل میں ہی بھیجتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ۝[2]

ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کے روز مرہ زندگی کے واقعات اس شرح وبسط سے نہیں

[1] شیخ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء ص ۵۶۹

[2] قرآن حکیم، سورۃ انعام، آیت ۸-۹

ملتے جس اہتمام سے صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا دیکھ کر سینوں میں محفوظ کر لی اور جب تدوین حدیث کا زمانہ آیا تو محدثین کرام نے نقل کر لی۔

مہاتما بدھ اسی سرزمین میں ایک نیک انسان ہو گزرے ہیں۔ آج بھی اُن کے ماننے والے سری لنکا، برما، تھائی لینڈ، ویت نام، جاپان، تبت، ملائیشیا اور بنگلہ دیش میں کروڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ چین میں کمیونسٹوں کے برسر اقتدار آنے سے قبل عیسائیت کے بعد بدھ مت دنیا کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات سیدھی سادی سی ہیں۔ ان کی زندگی بھی بڑے مجاہدہ اور ریاضت میں گزری ہے موصوف برسوں ایک ایک مقام پر بیٹھ کر عبادت کرتے رہے۔ مگر یہ عبادت کس کی تھی؟ یہ شاید بدھ مت کے پیروکار بھی نہ بتا سکیں۔ مہاتما بدھ خدا کی ذات کے بارے میں خاموش ہیں، وہ نہ ہی تو اس کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی اقرار کرتے ہیں۔ اب انہیں یہ کون سمجھائے کہ خدا کا تصور قائم کئے بغیر عبادت کس کام آئیگی اور ایک مذہب کے بانی کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو سیدھے راستے پر ڈال دے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے، یعنی بندوں کو خدا سے قریب کر دے، نہ یہ کہ انہیں ذاتِ خداوندی کے متعلق شبہ میں ڈال دے اور وہ خود ساختہ بھول بھلیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھریں۔

گورو نانک دیوجی کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے ان کے عشق الٰہی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی بے غرض اور سادہ زندگی کی مثال چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے بھی دنیا میں نہ ملے گی۔ گرنتھ صاحب بھی ترکِ دنیا کی ترغیب دیتا ہے اور مال و دولت کو لے وقت بنا کر مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے اور خود درویشانہ زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتا ہے، جیسا کہ خود بابا صاحب نے سچا سودا کے مقام پر اپنی تمام پونجی خدا کی خوشنودی کی خاطر سادھوؤں کی پیٹ پوجا پر خرچ کر دی تھی۔ اسی طرح گرنتھ میں بھی لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لئے بہت کچھ ہے لیکن احکام مفقود ہیں۔ دنیادار لوگ دنیاوی اُمور میں کس کی طرف رجوع کریں۔ ایک جج عدالت میں بیٹھ کر چور اور زانی کو کس قانون کے تحت سزا دے۔ ایک سپہ سالار اپنی فوج کو کس طرح لڑائے؟ ایک دکاندار کن اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر تجارت کرے۔ میاں بیوی میں نباہ مشکل ہو جائے تو کس طرح اُسے طلاق دے؟ ایک آقا اپنے ملازم سے کیسا برتاؤ کرے؟ انسان ناپاک ہو جائے تو کیونکر پاک ہو۔ ایسے احکام گرنتھ صاحب میں نہیں ملتے اور نہ ہی حکومت کا تصور اس میں ملتا ہے!

برعظیم پاک و ہند سے باہر ہماری نظر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام پر پڑتی ہے۔ ان کی اولاد سے ہزاروں پیغمبر پیدا ہوئے۔ قرآن حکیم میں بار بار خدا تعالیٰ ان کی بزرگی کا ذکر کرتا ہے لیکن ان کی زندگی کے پورے حالات، ان کے رہن سہن کے طریقے، ذرائع آمدنی، تربیتِ اولاد اور تعلیم اُمت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی شخص کی دو یا زائد بیویاں ہوں تو وہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت پر کیسے عمل پیرا ہو۔ وہ تو جناب سارہؓ کے کہنے پر اپنی دوسری رفیقۂ حیات سیدہ ہاجرہؓ کو وادی غیر ذی زرع میں جہاں اب مکہ آباد ہے، چھوڑ کر خود شام کی طرف چلے گئے تھے۔ اگر بال بچّے دار آدمی ان کی تقلید کرنا چاہے تو کس طرح کرے؟ اس کا جواب تو یہودی بھی جو اُن کی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں نہ دے سکیں گے۔

سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو آج دنیا کی امیر ترین قوم اپنا ہادی اور رہبر تسلیم کرتی ہے اور جس کثرت سے ان کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، اس کثرت سے کسی دوسرے پیغمبر کا نہیں آیا۔ اس کی ایک وجہ مفسرین کرام نے یہ بھی بتائی ہے کہ تربیتِ امت کے معاملہ میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ ایک نافرمان اور سرکش قوم کو لئے زندگی بھر دشت و صحرا میں پھرتے رہے اور اپنی زندگی میں اُس سرزمین میں جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں آباد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا، نہ لے جا سکے، اور یہ کام اُن کے جانشینوں نے کیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تمام اقوام عالم پر فضیلت دی اور ان پر بڑا فضل و کرم فرمایا۔ انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ اُن کے لئے سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنادیا۔ انہیں بھوک لگتی تو اُن کے لئے من و سلویٰ نازل ہوجاتا، اور جب پیاس لگی تو موسیٰؑ نے ایک پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کر دیئے۔ جب وہ چلتے تو آسمان پر ابر چھا جاتا تاکہ انہیں دھوپ سے تکلیف نہ پہنچے۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے توراۃ عطا فرمائی۔ اس قدر انعام و اکرام کے باوجود یہودی ہمیشہ سرکش اور اپنے پیغمبر کے نافرمان رہے اور انہیں بلاوجہ تنگ کرتے رہے۔ انبیاء کرام کو قتل کردینا ان کا معمول ہوگیا تھا۔ یہ قوم جو خود اپنے پیغمبروں کو ایذا دیتی رہی، دُوسری اقوام کو کس مُنہ سے اپنے پیغمبروں کی تقلید کا مشورہ دے سکتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو آج دنیا کی اکثریت اپنا نجات دہندہ مانتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے اُن کی اور اُن کی والدہ محترمہ کی قرآن مجید میں بڑی تعریف کی ہے۔ حضرت عیسٰیؑ نے زندگی بھر تبلیغ

کی اور صرف بارہ آدمی اُن پر ایمان لائے۔ جن میں سے ایک آخری وقت پر انہیں دھوکا دے گیا، اور معمولی سی رقم کے لالچ میں دشمن سے مل کر انہیں گرفتار کروا دیا۔ حضرت عیسیٰ نے شادی نہیں کی عورتوں کے مسائل سے وہ دوچار نہیں ہوئے اور اولاد کے بکھیڑوں میں نہیں پڑے۔ ایک دنیادار آدمی کن دنیاوی اُمور میں اُن کی پیروی کرے ؟ ایک عورت جو کسی دوسری قوم سے تعلق رکھتی تھی، وہ آپ کے پاس آئی اور عرض کی کہ اُسے بھی اپنے دین میں داخل کر لیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی منتشر بھیڑوں کو اکٹھا کرنے آئے ہیں۔ اس لئے وہ صرف انہیں راہ ہدایت دکھانا چاہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے بچوں کے منہ سے لقمہ نکال کر کتوں یا سوروں کے آگے ڈالنا دانائی نہیں ہے۔ یہ سب روایتیں بائبل میں موجود ہیں۔ اب عیسائی کس منہ سے دوسروں کو عیسائی بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا پیغمبر تو غیر اسرائیلی کو عیسائی بنانے پر رضامند نہ تھا اور یہ پوری دنیا میں مشنری بنے پھرتے ہیں۔

عیسائیوں کی شریعت میں عورتوں کے مسائل موجود نہیں ہیں۔ ان کے ہاں ولادت، رضاعت نکاح و طلاق، حیض و نفاس اور جنابت کے مسائل نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی شریعت نامکمل رہ جاتی ہے۔ یورپ میں عجب تماشا ہوتا ہے کہ رومن کیتھولک کلیسیا میں نکاح تو ہو جاتا ہے لیکن طلاق نہیں ہو سکتی۔ جس کو طلاق لینا ہوتی ہے، وہ سول عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ عدالت سے طلاق لے کر وہ مرد و عورت دوسرا عقد کریں۔ تو کلیسیا کی نظروں میں ان کا پہلا نکاح ہنوز موجود ہے۔ اس لئے دوسرے خاوند سے جو اولاد ہوگی کلیسیا اُسے پہلے خاوند کی اولاد سمجھے گا۔

اس عالم میں ہمیں صرف اور صرف امام الاولین والآخرین محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ایسی نظر آ رہی ہے جن کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی دعوت ہم تمام بنی نوع انسان کو دیتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور آپؐ کو اپنا ہادی و رہنما مانتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ آپؐ ایک انسان کامل تھے، دیوتا یا فرشتہ نہ تھے۔ آپؐ نے ساری عمر ایک انسان کی طرح گذاری اور آپؐ کی زندگی سے عام و خاص کو سبق ملتا ہے۔ آپ نے بادشاہی میں فقیری کی۔ خود اپنے پیٹ پر پتھر باندھے اور دوسروں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ پیغمبر ہو کر بھی عام مسلمانوں کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹایا۔ مسجد قباء کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں صحابہ کرامؓ کے

ساتھ مل کر پتھر اور مٹی اٹھائی۔ جج بن کر مقدمات کے فیصلے کئے۔ سپہ سالار کی حیثیت سے متعدد بار فوجوں کی کمان کی۔ باپ کی حیثیت سے اولاد کی تربیت کی۔ ایک مثالی خاوند کی حیثیت سے ازواج مطہرات کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ایک قانون ساز بن کر ہمیں ابدی قانون دیا جس پر عمل کر کے ایک انسان دونوں جہان میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ معلّم اخلاق بن کر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ کے اخلاق سدھارے۔ جنہیں بقولِ عمر فاروقؓ اونٹ چرانے کا سلیقہ نہیں آتا تھا، انہیں تربیت دے کر مثالی حاکم بنا دیا۔ وہ خانہ بدوش عرب جن کا کوئی گھر گھاٹ نہ تھا، ان کو مراکش سے کاشغر تک اور جنوبی فرانس سے چین تک کا حاکم بنا دیا۔ دنیا میں اتنی قلیل مدت میں اتنا پائیدار انقلاب برپا کر دیا جس کی مثال انسانیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دُنیا کا کوئی بھی شخص ہو، وہ چاہے اپنے ہی نقطۂ نظر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ اور سیرت پاک کا مطالعہ کرے، اُسے اپنے مطلب کی بہت سی چیزیں مل جائیں گی، اور آئندہ سطور میں ہم یہ پڑھیں گے کہ ہم اپنے اس دعویٰ میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟

خُدا تعالیٰ کروڑوں اور اربوں رحمتیں نازل فرمائے، صحابہ کرامؓ پر جنہوں نے حضورؐ علیہ والصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مکمل ریکارڈ محفوظ کر لیا اور آپؐ کی ہر ہر ادا کا نقش اپنی الواحِ قلوب پر نقش کر لیا اور خدا بھلا کرے محدثین کرام کا، جنہوں نے اسے اپنی کتابوں میں محفوظ کر کے ہم تک پہنچا دیا۔ آج ہم بڑے فخر کے ساتھ اقوامِ عالم کو بتا سکتے ہیں کہ اس عظیم اور کامل انسان کی زندگی کیسی تھی؟ آپ کھاتے کیا تھے، پہنتے کیا تھے، نہاتے کس طرح سے تھے۔ سوتے کس طرح تھے۔ سونے سے پہلے کیا پڑھتے تھے اور بیدار ہو کر کیا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب چھینک آتی تو آپ کیا فرماتے ازواج مطہرات سے کیسی باتیں فرماتے تھے۔ دوستوں سے کس طرح گفتگو فرماتے اور بیگانوں سے کس مروت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے یہ بھی نوٹ فرما لیا کہ آپ کتنے گھونٹوں میں پانی پیا کرتے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ کی کتنی سلائیاں لگاتے، کنگھی کس طرح فرماتے، ناخن کس طرح لیتے، نعلین مبارک کا رنگ کیا تھا، کرتا کس طرح سے پہنتے، دستار مبارک کا رنگ کیسا ہوا کرتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کی ریش مبارک میں کتنے بال سفید آ گئے تھے۔ ایسی پرائیویٹ زندگی کی باتیں، جن کو لوگ ہمیشہ چھپاتے ہیں، آپؐ نے خلقِ خُدا کی فلاح و بہبود کے لئے ظاہر کر دیں۔ آخر آپؐ انسان کامل تھے اور ہمارے لئے آپؐ نے ایک مکمل زندگی کا نمونہ پیش

کرتا تھا۔ اس لئے آپؐ نے ہر ہر پہلو کو نمایاں کرنا مناسب سمجھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے:۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ [1]

یعنی میری بعثت کا مقصد ہی تکمیل اخلاق ہے۔

آیئے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں کہ وہ کون سی اچھی صفات ہیں جو آپؐ کو دوسرے مذہبی پیشواؤں سے ممتاز کرتی ہیں، اور آپؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہونے سے دنیا و آخرت میں کسی طرح سرخروئی ہو سکتی ہے۔

ایک تاجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپؐ نے تجارت کرنے کے متعلق کونسی ہدایات دی ہیں اور کس طریقہ سے مال فروخت کرنا منع ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک ہٹ دھرم دوکاندار کسی گاہک کے گلے ہی پڑ جائے کہ اس نے چونکہ چیز دیکھنے کے لئے مانگی تھی اس لئے اُسے ضرور خریدنا پڑے گی۔ ایسی تجارت کو عربی زبان میں "مُنابذہ" کہتے ہیں۔ آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ انسانی اخلاق سے بعید ہے۔ اسی طرح بعض لوگ مال کو دیکھے بغیر ہی خرید لیتے ہیں یا اندھیرے کمرے میں ہی ٹٹول کر سودا طے کر لیتے ہیں۔ اسے عربی زبان میں "مُلَامَسَۃ" کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بھی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ بعض چالاک دوکاندار ناقص مال کی اچھی اور خوبصورت پیکنگ کر کے اُسے اچھے داموں فروخت کر لیتے ہیں اور خریدار کو نقصان ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْمُلَامَسَۃِ وَالْمُنَابَذَۃِ [2]

اسی طرح دھوکے کی بیع سے بھی منع کیا گیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا غلام فرار ہو گیا ہو جس کی قیمت پچاس دینار ہو اور کوئی شخص اُس کے مالک سے کہے کہ وہ اس مفرور غلام کے بدلے بیس دینار دینے کو تیار ہے، اگر [illegible]ل گیا تو وہ خریدار کی ملک سمجھا جائے گا اس صورت میں اگر غلام مل گیا تو مالک کا تیس دینار کا نقصان ہوا اور اگر نہ ملا تو خریدار کے بیس دینار

---

[1] امام مالک، موطا، کتاب الجامع، افضل المطابع کراچی، ص۷۱۶ [2] ایضاً ص۵۷۲

گئے۔ اس طرح کی خرید و فروخت کو عربی زبان میں " بَیْعُ الْغَـرَر " کہتے ہیں۔ امام مالکؒ
مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیّب کی روایت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل
فرماتے ہیں :۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ [1]

خرید و فروخت میں دھوکا دینا، یا کسی مسلمان کے ساتھ فریب کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے بڑا معیوب سمجھا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا

یعنی جو ہمیں دھوکا دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی وہ مسلمان نہیں ہے۔

بعض دوکاندار دوسرے دوکانداروں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کم قیمت پر چیزیں بیچنا
شروع کر دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں اس طرح کا کاروبار بھی ممنوع ہے۔ امام مالکؒ، حضرت
سعید بن المسیّبؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے
اتفاق سے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ منقیٰ بازار سے کم نرخ پر فروخت کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے
فرمایا یا تو تم نرخ بڑھا دو یا ہمارے بازار سے اُٹھ جاؤ [2]۔ اسی طرح احتکار سے بھی منع کیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔

التاجر الصدوقُ الامین مع النبیین والصدیقین والشہدآ

یعنی قیامت کے دن ایک ایماندار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

سُبحان اللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجارت کو بھی عبادت بنا دیا ہے۔

ایک خاوند کو حضورؐ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرنا چاہیئے
کہ حضورؐ کا اپنی ازواج کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیک سلوک کے
بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ

یعنی تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے۔ جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

---

[1] ایضاً ص ۱۷۸ [2] ایضاً ص

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپؐ اپنے ماتھے پر تیوڑی چڑھا کر اپنے گھر میں داخل ہوئے ہوں۔ تمام ازواج کے ساتھ آپؐ کا سلوک ایک سا تھا۔ آپؐ کے پاس اگر کوئی چیز آتی، یا فصل پر غلہ آتا، تو آپؐ اسے تمام ازواج میں برابر برابر تقسیم فرما دیتے۔ آپؐ تمام ازواج کے ہاں باری باری قیام فرماتے اور اُس روز وہیں کھانا تناول فرماتے۔ جب کبھی آپ سفر پر تشریف لے جاتے تو ازواج کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے۔ جس زوجہ مطہرہ کا نام قرعہ میں نکل آتا۔ اُسے شریک سفر بنا لیتے۔ ازواج مطہرات کے ساتھ آپؐ کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ آج کتنے اہم مسائل ایسے ہیں۔ جو ہم تک صرف آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کی روایت سے پہنچے ہیں۔

ایک عام شہری کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں اسوہ حسنہ موجود ہے۔ آپؐ نے سب کو مل جل کر رہنے اور اچھے ہمسائے بننے کی تلقین فرمائی ہے۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص ہنوز ایمان نہیں لایا جس کا ہمسایہ اس کی بدیوں سے محفوظ نہ ہو[1]۔ آپ نے خواتین کو خاص طور پر یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کوئی اچھی چیز پکائیں تو اپنی ہمسایوں کو فراموش نہ کریں۔ ایک موقعہ پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کے تحفہ کو حقیر نہ جانے، خواہ وہ بکری کا کھُر ہی کیوں نہ ہو۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک رتبہ کے لحاظ سے بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ اس کے شر سے بچنے کی خاطر ملنا چھوڑ دیں[2]۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ام المومنین، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی زبانی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیل برابر مجھے ہمسائے سے نیک سلوک کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہو گیا کہ وہ اسے وارث بنا دے گا[3]۔

سب کے ساتھ گھل مل کر رہنا اور ایک اچھے شریف شہری کی طرح زندگی گزارنا ایک مسلمان کا

---

[1] امام بخاری، صحیح بخاری شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، بار اول ص ۱۳۷۲

[2] ایضاً ص ۱۳۷۲ [3] ایضاً ص ۱۳۷۱۔

شیوہ ہے ۔ امام مالکؒ ، حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے اچھے خلق اور برتاؤ کی وجہ سے ساری رات عبادت کرنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے سے بڑھ جاتا ہے افسوس آج تو ہمیں مجلس میں بیٹھنے کا سلیقہ نہیں آتا حضور نبی کریمؐ کی صحابہؓ کے ساتھ نشست و برخاست کی تصویر دیکھنی ہو تو شمائل ترمذی کا مطالعہ کیجئے معلوم ہو جائے گا کہ معلمؐ انسانیت نے کیا کچھ نہیں سکھایا ۔

حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ نماز اور صدقہ سے بھی یہ بہتر ہے کہ لوگوں میں صلح کرا دی جائے اور بغض و عداوت سے بچا جائے ، کیونکہ یہ نیکیوں کو ختم کر دینے والی عادتیں ہیں ۔ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ مجھے چند مفید باتیں بتا دیجئے جن سے میں فائدہ اُٹھاؤں اور اتنی زیادہ بھی نہ بتایئے کہ میں یاد ہی نہ رکھ سکوں ۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا ۔ لَا تَغْضَبْ ، تو غصہ نہ کیا کر ۔ ہم جانتے ہیں کہ غصہ کی حالت میں بعض لوگ کیا کچھ کر گزرتے ہیں ۔ لڑائی ، فساد ، مقدمہ بازی ، طلاق ، گھر کی بربادی ، احباب سے کنارہ کشی ، ان سب فتنوں سے بچنے کے لئے آپؐ نے یہ مشورہ دیا کہ غصہ نہ کیا کرو ۔

ایک باپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپؐ نے اولاد کی تربیت کس طرح کی ہے اور بیٹیوں کی شادی پر دیوالیہ ہو جانے والے باپ کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ یہ جانے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں کس سادگی کے ساتھ کی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لئے جب آپ کی صاحبزادیاں آتیں تو آپؐ اُن کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاتے ۔ آپؐ کی بعثت سے قبل لڑکی کی ولادت کو معیوب سمجھا جاتا جاتا تھا اور عرب کے بعض قبائل بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ۔ آپؐ کا صنفِ نازک پہ یہ احسان عظیم ہے کہ آپؐ نے دو تین بیٹیوں کے باپ کو جنت کی بشارت دی ہے ۔

ایک مالک یا آقا فقیر کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ اُسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس باب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے ۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس برس تک روز و شب آپؐ کی بحیثیت خادم

خدمت کی اور نہ کبھی نہ فرمایا کہ فلاں کام اس طرح کیوں کیا اسے تو دوسری طرح کرنا چاہیئے تھا۔

ایک سربراہ مملکت آپؐ کی سیرت طیبہؐ کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کرے کہ بحیثیت سربراہ مملکت آپؐ نے کیسی مثالیں قائم کی ہیں۔ اس حیثیت سے آپؐ نے خود کو کبھی قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ آپؐ کے حقوق بھی مملکت میں اتنے ہی تھے جتنے ایک عام شہری کے تھے۔ دس لاکھ مربع میل علاقے کا حاکم اعلیٰ بوریہ پر استراحت فرماتا اور پیوند لگے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ سرکار دو عالمؐ کے چولھے میں کئی کئی ہفتے آگ نہیں جلتی تھی اور چولھے کو پھپھوندی لگ جاتی تھی۔ اپنا بھوکا رہنا پسند فرماتے تھے لیکن دوسروں کو بھوکا دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ سرکار نے اپنے خلاف شکایات اور دعاوی سُنے ہیں۔ حضورؐ نے عادل حاکم کے ایک گھڑی کے عمل کو زاہد بے ریا کی ساٹھ برس کی ریاضت کے برابر قرار دیا ہے۔ ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ نے کسی عہدہ کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے فرمایا "ابوذر! قیامت کے دن بہت سے لوگوں کے لئے حکومت باعث ندامت ہوگی"۔ اسلام میں حکومت اور اقتدار کو امانتِ الٰہی تسلیم کیا گیا ہے اور امام تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اہل لوگوں کو چھوڑ کر نااہل لوگوں کو عہدے دیتا ہے، وہ اللہ، اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسولؐ کو مشورہ کا پابند کیا ہے۔ تو جو ایسا کون حاکم ہو سکتا ہے جسے مشورہ کی ضرورت نہ ہو۔

ایک جج اور قانون دان اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کریں کہ آپؐ ایک قانون ساز اور مملکتِ اسلامیہ کے قاضی القضاۃ بھی تھے۔ آپؐ نے جو قوانین نافذ کئے، وہ سب کے لئے یکساں تھے۔ اس میں چھوٹے بڑے اعلیٰ و ادنیٰ اور اپنے اور بیگانے میں کوئی تمیز نہ تھی۔

ایک سپہ سالار حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپ نے بحیثیت سپہ سالار اکیس[۲۱] غزوات میں شرکت فرمائی اور ساٹھ سرایا میں صحابہ کرامؓ کو کمان سونپی۔ کئی معرکوں میں آپؐ نے تلوار سونت کر باقاعدہ مقابلہ کیا۔ غزوۂ بدر و احد میں آپؐ تیر اکٹھے کر کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عنایت فرماتے رہے۔

ایک اُستاد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہؐ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ آپؐ

نے اپنے اصحابؓ کی تعلیم و تربیت کس طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے چار فرائض بیان کئے ہیں:۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ

اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو اس وقت تک کتاب اور حکمت کی تعلیم نہیں دی جب وقت تک اُن کا تزکیہ نفس نہیں کر لیا۔ ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ جب تک زمین درست نہ کی جائے اس وقت تک اچھے سے اچھا بیج بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے تزکیہ کے بغیر تعلیم و تربیت ممکن نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے نظام تربیت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ان کے ہاں تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ آج ہمارے نظام تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں تربیت کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور ہمارے اساتذہ اور طلبہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے مل مزدوروں کی طرح ہڑتال کر دیتے ہیں۔ جب تک ہم تعلیم کے معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی نہ کریں اور اس وقت تک درس و تدریس سے اچھے نتائج نہیں نکل سکتے۔

اسلامی معاشرہ میں حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پہ فرض کیا گیا ہے اور اسی طرح دانائی کی بات کو مسلمان کا گمشدہ سرمایہ کہا گیا ہے۔

ایک عام مسلمان اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا مطالعہ کرے کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یعنی تمہارے رسول کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود ہے۔

ایک ذات پاک ایسی ضرور ہونی چاہیئے تھی جو اپنی زندگی کو قرآن کے قالب میں ڈھال دیتی اور دوسروں کے لئے نمونہ بنتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار کسی تابعی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں سوال کیا تو اُنھوں نے فرمایا۔ کیا تم نے قرآن پڑھا؟" اس نے کہا کہ قرآن تو اُس نے کئی بار پڑھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ یہی قرآن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت اور خلق عظیم کا آئینہ ہے۔ ایک مسلمان اس لئے بھی حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ کرے، کہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے:۔

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

آخر میں اتنا اور عرض کرتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ثواب اور اس پر عمل جنت کی ضمانت ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اَزْوَاجِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ

سیرتِ مصطفیٰ اہلِ عصرِ حاضر کے لئے پیغام

(لیفٹیننٹ کرنل عبد الغفور۔ آرمی ایجوکیشن کور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللّٰھم ملک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء۔

وتعز من تشاء وتذل من تشاء۔ بیدک الخیر۔ انک علیٰ کل شیٔ قدیر۔

اللّٰھم صل وسلم علیٰ سیدنا و مولٰینا وحبیبنا و شفیعنا محمد وعلیٰ الہٖ واھل

بیتہٖ واصحابہٖ اجمعین و بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً (سورۃ سبا آیت ۲۸)

قل یاَیھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸)

اک زمانہ یہ گواہی دیتا چلا آ رہا ہے کہ سرور کائنات رحمۃ للعالمین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ہمہ گیر اور آفاقی شخصیت ہر دور، ہر زمانہ، ہر صدی، اور ہر قرن کے لئے باعث رحمت و سرچشمۂ ہدایت ثابت ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس میں کسی دور یا زمانہ کی تخصیص نہیں، اور نہ ہی کسی خاص طبقہ، گروہ یا جماعت کا اختصاص ہے۔ بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کا دور ہو یا بیسویں صدی کا، عنفوان اسلام کی گھڑی ہو یا شباب اسلام کی، اہل عرب کے عروج کا دور ہو یا اہل عجم کی سربلندی کا، بے آب و گیاہ چٹیل زمینوں کی بات ہو یا سرسبز و شاداب زرخیز میدانوں کی، ترقی پذیر ملکوں کا مسئلہ ہو یا ترقی یافتہ ممالک کی مشکل، وحدات کے زمانہ کا قصہ چل رہا ہو یا کھربائیت کے دو تنوں کا کفر و ظلمت کی آندھیاں چل رہی ہوں یا شمع اسلام کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں، اللہ کی زمین پر خونِ انسانی سے ہولی کھیلی جا رہی ہو یا احترام آدمیت کا سبق پڑھا جا رہا ہو، چادرِ مریم کے تار نوچے جا رہے ہوں یا تقدیس حوا کا ذکر چل رہا ہو، آرام کی گھڑیاں ہوں یا تکلیف کا وقت، دکھ کے صبح و شام ہوں یا سکھ کے شب و روز ہر حالت، ہر کیفیت، ہر مزاج، ہر صورت، ہر طبیعت، ہر صنف، ہر حیثیت اور ہر مقام

کے لئے ذات گرامی ہدایت مہیا کرتی ہے، روشنی دکھاتی ہے۔ اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ رحمتوں بھری یہ ذات ایک بے حد وسیع و عریض سائبان کی طرح ہے جو نہ صرف اپنوں کو محیط ہے اجو نہ صرف نیکوں کو ڈھانپے ہوئے ہے، جو نہ صرف صالحین کے سروں پر سایہ فگن ہے، بلکہ جس سے بیگانے بھی فائدہ اٹھاتے رہے ہیں، جس کے نیچے بڑوں نے بھی پناہ لی اور جس کی برکت سے طالحین بھی عافیت میں رہے۔

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم

(اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دینے کا، جبکہ آپ ان کے درمیان (موجود) ہیں)

اس امر کا بین ثبوت ہے۔

اس مجسم شفقت و رحمت ذات نے صرف حامیوں اور پیروکاروں کو ہی خوشخبریاں نہیں پہنچائیں۔ بلکہ خون کے پیاسوں اور دشمنوں کو بھی زندگی کی نوید سنائی۔ آپ نے نکوکاروں کو ہی اپنے لطف و کرم سے نہیں نوازا بلکہ گنہ گاروں پر بھی رحمت کی بارش کی۔ گندگی سے لتھڑے ہوئے انسانوں کو سینے سے لگایا۔ گمراہی کے کیچڑ میں پھنسی ہوئی شخصیتوں کو نکالا۔ گرتوں کو تھاما۔ ڈگمگاتوں کو سنبھالا اس حد تک کہ گھمبیر اندھیرے یکایک روز روشن کی صورت اختیار کر گئے۔ لغزش پا میں گرفتار سیدھی چال چلنے لگے اور راہ سے بھٹکے ہوئے چشم زدن میں ہادی و رہنما بن گئے۔ اس پیاری ذات اور اس کی موہنی سیرت کی یہ خصوصیت پرانے وقتوں سے بیان ہوتی چلی آئی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے:۔

"اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کا رسولؐ ایک نور ہے جو خدا کی تمام مخلوق کو راحت بخشے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل اور تدبیر کی روح بخشی ہوتی ہے۔ دانشمندی، اعتدال پسندی اور پرہیزگاری کی روح بھی دی ہوئی ہے۔ اسے سخاوت اور رحمدلی سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس کے اندر انصاف و زہد و تقویٰ کی روح ہے۔ شرافت اور صبر کی طاقت ہے۔ جسے خدا نے اس میں ودیعت رکھا ہے۔ وہ کتنا بابرکت زمانہ ہوگا جب وہ اس دنیا میں آئے گا۔ مجھ پر یقین رکھو کہ میں نے اُسے دیکھا ہے اور میں نے اس کا احترام کیا ہے۔ ایسے جس طرح ہر پیغمبر نے اسے دیکھا ہے۔ اس کی رُوح کو اُنہوں

نے دیکھا اور ان کو خدا نے پیش گوئی دی۔ جب میں نے اُن کو دیکھا تو مجھے اطمینان نصیب ہو گیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے محمدؐ خدا آپ کی مدد کرے اور مجھے اس قابل بنا دے کہ میں آپ کی جوتیوں کے تسمے کھول سکوں۔"

(برناباس کی انجیل ص۱۰۱ آیت ۱ ۔ ۴۷ ۔
بذریعہ اسلام اور دنیا کے مذاہب ص ۱۱۲)

"لیکن جب وہ تسلی دینے والا وکیل آئے گا . . . وہ سچائی کی روح ہو گا۔ جو خدا کی طرف سے آئے گا۔ وہ میری گواہی دے گا۔"

عصر حاضر میں جبکہ انسانیت ایک دم توڑتی لاش کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ جبکہ عالم انسانی جغرافیائی اور نسلی حد بندیوں میں مقید ہو کر رہ گیا ہے جسم، آنکھوں اور بالوں کی رنگت قدر و منزلت کی بنیاد سمجھی جانے لگی ہے۔ کہیں سرمایہ کا بھوت ناچ رہا ہے۔ تو کہیں افلاس کے پہرے ہیں کہیں آجر کی استحصال پسندیاں ہیں۔ اور کہیں بندۂ مزدور کے اوقاتِ تلخ۔ کہیں انصاف کی قیمت لگ رہی ہے۔ تو کہیں عزت و عصمت نیلام کے لئے رکھ دی گئی ہے، کہیں تقدیس کا بھرم اُٹھ رہا ہے اور کہیں چہروں سے ملمع اتر رہا ہے۔ اقتصادی بالادستی کے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔ دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے۔ توسیع پسندی کا دور دورہ ہے۔ انسان انسانوں کے لئے خدائی کا روپ دھار رہے ہیں۔ راستے بند کئے جا رہے ہیں۔ فساد، لوٹ مار، غارت گری، قتل، رہزنی کی حوصلہ فزائیاں ہیں۔ طاقت کے بل پر قبضے جمائے جا رہے ہیں۔ دوسروں کو اپنے زیر نگین رکھنے کے لئے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔ جمہوریت کے روپ میں استبدادیت پا رہی ہے۔ مساوات کے روپ میں طبقاتیت رواج پا رہی ہے۔ اپنا سر بلند رکھنے کے لئے دوسروں کو سر جھکانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اپنی عزت کے لئے دوسروں کو ذلت و نکبت کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ ایک نفسی نفسی کا عالم ہے۔ ایک حشر بپا ہے۔ ایک قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ انسان بوکھلائے پھر رہے ہیں۔ ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے بھی مدہوش دکھائی دیتے ہیں۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُم بِسُكٰرٰى

(سورۃ الحج آیت ۲)

انسان تشنہ کامی سے جاں بلب ہے۔ اس کی تشنگی دُور ہونے کا سامان نظر نہیں آتا۔ وہ متلاشی نظروں سے چار سُو دیکھ رہا ہے لیکن اسے گوہر مراد ہاتھ نہیں آ رہا۔ وہ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اسے روشنی کی کرن نظر نہیں آتی۔ اَسباب تعیش اس کی روح کے لئے نشتر بن رہے ہیں۔ زندگی کی سہولتیں اس کے دل وجان کے لئے سنہری زنجیریں ثابت ہو رہی ہیں۔ وہ من کا سکھ تلاش کر رہا ہے۔ وہ دل کا چین ڈھونڈ رہا ہے۔ رُوح کا سکون طلب کر رہا ہے۔ ذہنی آرام کی بھیک مانگ رہا ہے۔ کیونکہ یہی وہ دولت ہے جو سائنس کی تمام تر ایجاد انگیزیوں، فلسفہ کی تمام تر موشگافیوں، اربابِ علم وفن کی تمام تر نکتہ طرازیوں اور اہل سیادت وسیاست کی تمام تر بیان بازیوں کے باوصف انسان کو میسر نہیں ہے۔ وہ "شانتی کے محل" تو بنا رہا ہے لیکن اس کے من کو شانتی نصیب نہیں۔ وہ گیت اور بھجن تو گا رہا ہے۔ لیکن اس کی رُوح کے تار خموش ہیں۔ وُہ کتابوں کے اوراق تو الٹ پلٹ رہا ہے لیکن اس کی اپنی کتابِ زندگی کے اوراق پریشان ہیں۔ ایک احساسِ کوفت ہے۔ ایک طرح کی تکان ہے۔ ایک طرح کا قلق ہے۔ ایک قسم کی اکتاہٹ ہے جو عصر حاضر کے انسان پر طاری ہے۔ اور وہ اس بوجھ تلے دبا دبا سا نظر آ رہا ہے۔ اس کیفیت سے رہائی پانے کا سب سے مؤثر اور کارگر ذریعہ ایک ہی ہے۔ کہ عصر حاضر کا انسان اس ذات گرامی کا سہارا لے جنکی بدولت زمانے سنور گئے۔ مقدر بن گئے۔ بربادیاں آبادیاں کی صورت اختیار کر گئیں۔ بیماریاں شفا بن گئیں۔ ذہن روشن ہو گئے۔ دل منّور ہو گئے۔ آنکھیں پر نور ہو گئیں۔ اور روح پر کیف و سرور چھا گیا۔

ذات اقدس کی سیرت پر اس مسئلہ کا حل پیش کرتی ہے۔ جو آج کے انسان کو پیش ہے۔ ہر اس مشکل سے نجات دلاتی ہے۔ جس میں آج کے دور کا انسان مبتلا ہے۔ وُہ اس پرکشش آواز پر کان تو لگائے۔ وُہ یہ صدا تو سنے۔ کہ اے ہدایت دروشنی کے تلاش کرنے والو۔ ذرا ادھر دیکھو

* اگر تم استحصال کے ستائے ہوئے ہو۔ تو ان ؐ کے دامن میں پناہ لے لو کہ یہاں تمہارا استحصال کوئی نہیں کرے گا۔

* تم آجر و مزدوُر کے بارے میں پریشان ہو تو اُن ؐ کی تعلیم کو اپنا لو کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے پوری مزدوری ادا کر دو۔ اس کے بعد کیا جھگڑا رہ جائیگا۔

- تُم عائلی و قرابتی تعلقات کے سلسلہ میں متفکر ہو تو اُن کے طرزِ عمل سے سبق لو کہ کس طرح ہر رشتہ دار، ہر عزیز، ہر ساتھی اور ہر قرابت دار کا حق ادا کیا جاتا ہے۔
- تُم کامل ترین نظامِ مملکت کی تلاش میں ہو تو اُن کے طرزِ حکومت کو دیکھو کہ جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں پر حکومت کیسے کی جاتی ہے۔
- تُم آدابِ عدل و انصاف سیکھنا چاہتے ہو تو اُن کے انصاف کو نمونہ سمجھو، اور اُن کے فیصلوں پر غور کرو۔
- تُم آئینِ تجارت لکھنا چاہتے ہو تو اُن کے لین دین، اُن کے کاروبار، اور اُن کے معاملات کی نقل کرو۔
- تُم حاکم و آقا ہو تو اُن کے خادموں اور اُن کے رفقا کو دیکھو کہ اُن کے سلوک سے کس طرح فیضیاب ہوتے۔
- تُم کسی ذمہ داری پر فائز ہو تو اُن کے احساسِ فرض کو اسوۂ حسنہ بناؤ۔
- تُم سپہ گر ہو تو اُن کی سپہ گری کے انداز اپناؤ کہ دشمن کا خون بھی اتنا ہی بہا جتنا جراح کے نشتر سے مریض کا خون بہتا ہے۔
- جہاد کرنے والو! سرکارِ دو عالم کے جہاد کا نقشہ دیکھو۔
- قتال کرنے والو! سرکارِ دو عالم کے قتال کی پیروی کرو۔
- قربانیاں دینے والو! سرکار کی قربانیاں ملاحظہ کرو۔
- شکستہ دلو! سورۃ الضحیٰ پڑھو اور اس پاک دل کی دھڑکنیں بھی سنو۔
- انقلابیو! عالمگیر انقلاب کے اس منبع و سرچشمہ کی تعلیمات پر بھی نظر ڈالو۔
- وفا کیش روحو! اُن کی وفا کیشی پر نثار ہو جاؤ۔
- اخلاص و محبت والو! قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین کے اعلان پر کان لگاؤ۔
- جگر لخت لخت والو! اس ثابت قدم کے جسمِ اطہر سے بہتا ہوا خون بھی دیکھو! اور لبِ جاں بخش کی مسکراہٹیں بھی دیکھو۔ دعا کے لئے اُٹھتے ہاتھ بھی دیکھو، اور جنبش

چشم و ابرو کی عفو ریزیاں بھی مشاہدہ کرو۔ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں کس قلم میں اتنا یارا ہے کہ ذاتِ اقدس کی صحیح صحیح مدح لکھ سکے اور کسی زبان میں اتنی ہمت ہے کہ ذاتِ بابرکت کی سیرتِ مقدسہ کے ان گنت پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔ اور مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لئے تو اتنا ہی اعزاز بہت ہے کہ مدح نویسوں کے قدموں میں جگہ پا سکے اور سیرت نگاروں کی جوتیاں سیدھی کرے کہ مجھے تو پاسِ ادب لب کشائی کی اجازت نہیں دیتا اور جلالِ ذات آنکھ اٹھانے کی جرأت سلب کئے لیتا ہے۔

اسی لئے اس مبارک تقریب میں شرکت کے لئے ایک ایسے واقف اسرار کے ارشادات کا سہارا لینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ جن کی زندگی سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کامل اتباع سے عبارت رہی ہے، اور جنہوں نے شریعت و طریقت کے ہر کمال کا حصول سیرت طیبہ کے صحیح اتباع کے ساتھ وابستہ گردانا ہے۔ اتباع سنت میں ہونے والی فروگذاشتوں کو محرومیوں کی اساس سمجھا ہے۔ اور عشق رسولؐ کو دنیا و عقبیٰ میں کامیابی وکامرانی کا زینہ کہا ہے میری مراد شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ جو اپنے شہرۂ عالم مکتوبات میں یوں رقمطراز ہیں۔

ترجمہ	متن
اس میدان کے شہسوار یکہ تاز حضور حبیب رب العالمین سید اولین و آخرین سرور دنیا و دین ہیں۔ ان پر پوری پوری رحمتیں ہوں اور کامل ترین تحیات ان پر نازل ہوں جس کسی کو محض اپنے فضل سے اس اعلیٰ نعمت تک پہنچانا چاہتے ہیں اس کو سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمال میں ثابت قدم کر دیتے ہیں اور اسی کے وسیلہ سے اس بلند چوٹی تک لے جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہتے ہیں اس کو عطا فرماتے	۱۔ شہسوار یکہ تاز ایں میدان آں سرور دنیا و دین و سید اولین و آخرین حبیب رب العالمین است۔ علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا۔ و کسے را کہ محض فضل خواہند کہ بایں دولت رسانند او را بکمال متابعت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام متحقق می سازند و بتوسل آں بایں ذروۂ علیا می برند۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم (مکتوب ۹ حصہ اول دفتر اول)

ہیں اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل کے مالک ہیں۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب رب العلمین است ہر چیز کہ خوب و مرغوب است از برائے مطلوب و محبوب است لہٰذا حق سبحانہ وتعالیٰ در کلام مجید خود می فرماید وانک لعلی خلق عظیم۔ نیز می فرماید تعالیٰ وتقدس انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ ونیز فرمودہ تعالیٰ وتقدس وان ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السُبُل۔ ملّت اورا علیہ الصلوٰۃ والسلام صراط مستقیم خواندہ و ماسوائے اورا داخل سبل گردانیدہ واز اتباع آں منع فرمودہ وآں سرور فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اظہاراً للشکر واعلاماً للخلق وھدایۃً لھم (خیر الھدی ھدی محمد) ونیز فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام (ادبنی ربی فاحسن تادیبی)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العلمین کے محبوب ہیں، جو چیز بھی اچھی اور مرغوب ہے وہ مطلوب محبوب کے لئے ہے اسی لئے حق سبحانہ وتعالیٰ کلام مجید میں فرماتے ہیں وانک لعلی خلق عظیم۔ نیز فرماتے ہیں انک لمن المرسلین، علی صراط مستقیم۔ نیز اللہ تعالیٰ وتقدس نے فرمایا ہے وان ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السُبُل۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کو صراط مستقیم کا نام دیا۔ اور اس کے سوا کو سُبُل (مختلف راستوں) میں داخل کر دیا اور اس کی پیروی سے منع فرما دیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اظہار شکر کی غرض سے لوگوں کو بتانے کے لئے اور ان کی ہدایت کے لئے فرمایا۔ (بہترین ہدایت محمد کی ہدایت ہے) نیز حضور علیہ والسلام نے فرمایا (میرے رب نے مجھے سکھایا اور بہترین تادیب کی)۔

(مکتوب ۴۱ حصہ دوم دفتر اول)

۳۔ وبہترین مصقلہا در ازالۂ آں زنگ اتباع سنت سنیۂ مصطفویہ است۔

اس زنگ کو دور کرنے کے لئے بہترین صیقل سنت مصطفویہ کا اتباع ہے۔

(مکتوب ۴۲ حصہ دوم دفتر اول)

۴ - ان محمداً رسول الله سيّد ولد آدم و اکثر الناس تبعا يوم القيامة واکرم الاولين والاخرين على الله واول من ينشق عنه القبر واوّل شافع و اول مشفع

بیشک حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ قیامت کے دن حضور کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اکرم ہونگے۔ سب سے پہلے آنحضور کی قبر مبارک کھلے گی۔ آپ سب سے پہلے شافع ہوں گے اور سب سے پہلے آنحضور کی شفاعت مقبول ہوگی... اگر

. . . .

لولاه لما خلق الله سبحانه الخلق ولما اظهر الربوبية ۔

حضور نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا اور نہ ہی ربوبیت کو ظاہر فرماتا۔

نماند بعصیان کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید و پیشرو

کوئی آدمی بھی گناہوں میں مبتلا نہیں رہ سکتا
جس کو اس طرح کا آقا پیشوا اور ہادی میسر ہو

. . . .

چوں آں سرور محبوب رب العلمین است متابعان او بواسطہ متابعت بمرتبہ محبوبیت میرسند ؎

چونکہ حضور محبوب رب العلمین ہیں ان کی پیروی کرنے والے پیروی حضور کی بدولت محبوبیت کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

محمد عربی جو دونوں جہانوں کی آبرو ہیں
جو انکے دروازے کی خاک نہیں اس کے سر پہ خاک ہو

(مکتوب ۴۴ حصہ دوم دفتر اوّل)

۵ - نقد سعادت دارین منوط بمتابعت سید کونین است علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

دونوں جہانوں کی سعادت سید کونین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے

(مکتوب ۴۵ حصہ دوم دفتر اوّل)

۶ - پس اطاعت رسول عین اطاعت حق

پس رسول کی اطاعت بالکل اطاعت

آمد سبحانہ وخلاف اطاعت او صلی اللہ
علیہ وعلی آلہ وسلم عین معصیت او تعالیٰ۔
(مکتوب ۵۵ حصہ دوم دفتر اول)

حق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی اطاعت کی خلاف ورزی بالکل معصیت حق تعالیٰ
ہے۔

۷۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ما مفلسان بے
سروبرگ را بدولت اتباع سید
الاولین والآخرین کہ بطفیل دوستی
او کمالات اسمائی وصفاتی خود را در
عرصہ ظہور آورد او را بہترین جمیع کائنات
خلق کرد علیہ من الصلوٰت افضلہا
ومن التسلیمات اکملہا مشرف
گردانا دو برآں استقامت بخشاد کہ
ذرہ ایں متابعت مرضیہ از جمیع تلذذات
دنیاوی وتنعمات اخروی بمراتب
بہتر است فضیلت منوط بمتابعت
سنت سنیہ اوست ومزیت مربوط باتیان
شریعت او علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ و
السلام التحیۃ۔ (مکتوب ۱۱۴ حصہ دوم دفتر اول)

حق سبحانہ وتعالیٰ ہم بے سروسامان مفلسوں
کو سید الاولین والآخرین کے اتباع کی دولت
سے (جن کی محبت کی وجہ سے اپنے ذاتی و
صفاتی کمالات کو معرض ظہور میں لائے اور
جن کو تمام کائنات میں بہترین خلق کیا)
مشرف فرمائے اور اس پر استقامت
بخشے کہ اس پسندیدہ پیروی کا ایک
ذرہ دنیا کی تمام لذتوں اور آخرت
کی تمام نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے
فضیلت ان کی سنت سنیہ کی پیروی
سے وابستہ ہے۔ اور ترقی ان کی
شریعت کو رواج دینے پر منحصر
ہے۔

مثلاً خواب نیم روزی کہ از روئے ایں
متابعت واقع شود از کرور کرور احیائے
لیالی کہ نہ از متابعت است اولے و
افضل است وہمچنیں افطار یوم فطر
کہ شریعت مصطفوی بآں امر فرمودہ
است از صیام ابد الآباد کہ نہ ماخوذ

مثلاً دوپہر کو سونا جو اس متابعت کی بنا پر ہو۔
کروڑوں راتوں کو جاگ کر گزارنے سے بہتر
ہے جو متابعت کے سوا ہو۔ اسی طرح عید فطر
کے دن روزہ نہ رکھنا جس کا حکم شریعت
مصطفوی نے دیا ہے۔ لگاتار اور ہمیشہ ہمیشہ
کے روزوں سے بہتر ہے جو شریعت میں نہیں

از شریعت اندہتر است اعطائے جیتلے بامر شارع از انفاق کوہ زر کہ از تو خود باشد فاضل تر است۔

ایک پائی شارع کے حکم پر خرچ کرنا اپنی مرضی سے سونے کا پہاڑ خرچ کر دینے سے کہیں زیادہ ہے۔

(صفحہ ۱۳۱/ ۱۳۲)

۸۔ التحلی بالمیراث للعنوی لا یتیسّر الا بکمال الاتباع المصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ فعلیکم باتباعہ واطاعتہ فی اوامرہ ونواھیہ وکمال متابعت فرع کمال محبت است بآنسرور علیہ والصلوٰۃ والسلام۔

(مکتوب ۱۶۵ حصہ سوم دفتر اوّل)

رُوحانی میراث سے فیضیاب ہونا میسر نہیں آسکتا سوائے اتباع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اتباع کے۔ پس تم پر لازم ہے کہ ان کی اتباع کرو۔ اور تمام اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرو۔ کیونکہ متابعت کا کمال حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی محبت کے کمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرتِ انور کی جو خوبیاں بیان کی ہیں۔ اور متابعت سنت نبوی کی بدولت جن کمالات تک پہنچنے کی نوید دی ہے۔ وہ کسی خاص دَور یا عصر تک محدود نہیں بلکہ آج کے دَور کے لئے بھی اتنی ہی برحق ہے۔ جتنی کل تھی۔ کیونکہ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

یٰایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً۔ (سورۃ الاحزاب۔ آیت ۲۲)

یا رب صل وسلم دائماً ابداً
علی حبیبک من زانت بہ العصر

اے پروردگار اپنے حبیبؐ پر ہمیشہ ہمیشہ رحمت وسلام نازل فرما جن کی بدولت زمانے سنور گئے

سیرتِ مقدسہ کا ابدی پیغام

(پروفیسر عبدالجبار شیخ صدر شعبہ اسلامیات جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ)

سیرت کا مفہوم

لغت عرب میں لفظ سیرت "سار" سے اسم ہے جس کے معنی آتے ہیں سنت طریقہ مذہب ہیئت جب کہتے ہیں کسی شخص کی سیرت تو مراد ہوتا ہے۔ اس کے اعمال کا صحیفہ اور لوگوں کے درمیان اس کے سلوک کی کیفیت وحالت نیز اس کی عام روش اور عادت۔

اصطلاح شریعت میں سیرت ایک خاص لفظ ہے۔ جو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے پاکیزہ صحیفہ زندگی کو کہتے ہیں۔ کہ جس میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی ایک ایک جھلک ہر کیفیت اور حالت کو با تفصیل بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ سیرت آپ ہی کے اقوال طیبہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا نام ہے۔

حضورؐ کا مرتبہ کمال

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کے اعلامیہ میں جہاں اللہ رب العزت نے تکمیل دین کی بشارت دی ہے۔ وہاں پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ کمال کا بھی اعلان فرما دیا کہ یہ وہ مبارک ہستی ہے جس کی سیرت مطہرہ میں ایک جامع اور کامل صحیفہ ہدایت انسانوں کی تقلید کے لئے موجود ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس دنیا میں آئے کچھ صاحب جمال تھے اور کچھ صاحب جلال کہ ہر کوئی انسانوں کو اپنے جمال و جلال سے بہرہ ور کرتا رہا لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جمال وجلال دونوں میں کمال کے مرتبہ پر فائز ہوکر تشریف لائے اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کمال ہیں اور خالق کمال کا خصوصی نمونہ اور ماڈل کہ جن کے بارے میں حضرت حسانؓ فرماتے ہیں۔

واحسن منك لم ترقط عینی　　واجمل منك لم تلد النساء

سیرتِ مقدسہ کی ابدیت

آپؐ کے مرتبہ کمال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپؐ کی سیرت مطہرہ پوری جامعیت اور کاملیت کے ساتھ آغاز سے لیکر آج تک موجود اور محفوظ ہے اور ایسے مستقل عوامل بروئے کار ہیں کہ ابد تک آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ موجود اور محفوظ رہے گا۔ نہ اسے آج تک کسی قسم کی آنچ آئی اور نہ ہی قیامت تک اس کے صرف نظر ہونے کا کوئی بھی اندیشہ ہے۔ حالانکہ انبیاء کے جس قدر نفوس قدسیہ اس دنیا میں تشریف لائے ہیں آپ کے علاوہ کسی کی سیرت آج محفوظ نہیں بلکہ سرے سے موجود بھی نہیں۔ اگر کچھ چیزیں ہیں بھی تو وہ صرف، چند اشارے کچھ ہدایات اور کچھ احکام ہیں جو آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ ورنہ مفصل حالات نظروں سے بالکل اوجھل اور مخفی ہیں۔ آج اگر ہم یہ چاہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہو۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کے حالات از آغاز تا انجام ہمیں پوری طرح معلوم ہو جائیں تو یہ بات بالکل ناممکن ہے۔ حالانکہ یہ تو وہ انبیاء ہیں جن کے نام نامی مشہور ہیں اور قرآن میں بھی ان کا ذکر ہے۔ ہزاروں انبیاء ایسے ہیں کہ تاریخ میں ان کا نام تک بھی نہیں لاتعداد انبیاء گزرے ہیں کہ کسی کی سیرت اور کسی کی شریعت آج محفوظ نہیں برخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی ایک ایک ادا محفوظ ہے۔ اور ابد تک محفوظ رہے گی۔

سیرت کی ابدیت کے چار بڑے عوامل

سیرت کی ابدی حفاظت کے چار بڑے عوامل روبکار ہیں جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے ابدیت کا لازوال پیغام ہیں :۔

نمبر ۱۔ قرآن　　نمبر ۲۔ روایات

نمبر ۳۔ اہل علم کے سینے　　نمبر ۴۔ متبعین سنت کا عمل

قرآن سیرت کا اولین سرچشمہ

جب حضرت صدیقہ عائشہؓ سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے آپؐ کی

سیرت کیونکر تھی تو آپؓ نے فرمایا کہ "وکان خلقہ القرآن" آپ کی سیرت دیکھنی ہو تو قرآن کو دیکھ لو اوّل سے لے کر آخر تک قرآن پڑھ جاؤ۔ یہی آپ کا علم ہے، یہی آپ کا عمل ہے اور یہی آپ کے احوال ہیں۔ گویا کہ قرآن سیرتِ مقدسہ کا اولین سرچشمہ ہے۔

قرآن کریم تواتر کے ساتھ محفوظ ہے

جہاں تک قرآن پاک کی حفاظت کا تعلق ہے یہ کتاب ایک حدیث متواترہ ہے جس کا ایک ایک حرف محفوظ، اعراب محفوظ، زیر و زبر تک سب محفوظ، رکوع الگ گنے ہوئے، حروف گنے ہوئے سورتیں گنی ہوئیں حتیٰ کہ محدثین نے اعراب تک گن رکھے ہیں۔ اس قدر تواتر کے ساتھ اور سند اور تاریخ کی حیثیت سے متصل کتاب۔ آج تک دُنیا کے کونے میں موجود نہیں پھر یہ کہ حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت محض کاغذوں سے نہیں کرائی بلکہ اُمّت کے سینوں کو اس کی حفاظت گاہ بنایا جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔

بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم

(بلکہ وہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو اہلِ علم کے سینوں میں موجود ہیں)

اس کی حفاظت گاہ مسلمانوں کے قلوب کو قرار دیا گیا جہاں نہ کوئی ڈاکو پہنچتا ہے نہ کوئی چور اور نہ ہی شیطان کا اثر غالب ہو سکتا ہے کاغذ جل سکتے ہیں، لکھنے والے بدل سکتے ہیں لیکن قلوب میں جو چیز محفوظ ہے نہ جل سکتی ہے نہ بدلتی ہے اس لیئے جب قرآن نبی کریم کی سیرت کا نام ہے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ سیرتِ مقدسہ بھی قلوب میں محفوظ ہے۔ کاغذوں میں نہیں، بلکہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اور ایک ایک ذرّہ تک محفوظ چلا آتا ہے اور یہ جو ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم کی تفسیریں لکھی گئی ہیں یہ سیرت مطہرہ کی تفسیریں ہیں جو تیرہ سو برس سے چلی آرہی ہیں اور کتب خانے ان سے بھرے پڑے ہیں۔

تو جس طرح قرآن کے قطعی ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح اس کے سیرت مطہرہ کی قطعی تفسیر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔ خاص طور پر جب جبرئیل علیہ السلام بیچ میں ہیں اور یہ کتاب مروی عن الحق ہے اور اس کی روایت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی ہے تو اس کے معنی برحق ہونے میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ اللہ کا نام بھی امین ہے جبرئیل کا لقب روح الامین ہے اور حضورؐ کا

کا لقب بھی امین ہے۔ امین سے روایت چلی امین کے ذریعہ پہنچی اور امین تک پہنچی تو تین امانتداروں کے ہونے کی بنا پر اس کی قطعیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اس لئے فرمایا کہ

انّهٗ لقول رسولٍ کریمٍ ذی قوۃٍ عند ذی العرش مکینٍ مطاعٍ ثمّ امین

راوی قابل اعتماد ہے منشاء خداوندی کا پیروکار ہے۔ پالیسی کو من وعن پہنچاتا ہے۔ کریم النفس ہے، اس کے ساتھ طاقت ور بھی ہے، دبنے والا نہیں دور سے کلام نہیں سن رہا۔ بلکہ عرش کے پاس متمکن ہے اور ٹھیک ٹھیک سن کر پہنچا رہا ہے اسی لئے حدیث پاک میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کلام فرماتے ہیں تو تمام ملائکہ ہیبت سے بیہوش ہو جاتے ہیں سب سے پہلے جو ہوش میں آتے ہیں وہ جبرئیل ہیں ملائکہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا فرمایا حق تعالیٰ نے اس لئے کہ سب سے زیادہ کلام کو محفوظ کرنے والے وہی ہوتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جبرئیل کم حیثیت والے نہیں ہیں۔ بلکہ رتبے میں بہت بلند ہیں کیونکہ تمام ملائکہ ان کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ سارے فرشتوں کے سردار ہیں اس واسطے ان کی روایت پر اعتماد کیوں نہ ہو۔ پھر فرمایا۔

من اصدق من اللہ قیلاً   من اصدق من اللہ حدیثاً

کہ اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے

تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ قرآن کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ سچے کا کلام ہے سچے کے ذریعہ آیا ہے سچے تک پہنچا ہے۔ اس لئے اسے مانو۔ تو دلائل سے منوایا دباؤ سے نہیں منوایا۔

تو جس طرح قرآن دلائل پر مبنی اسی طرح اس کا سیرت ہونا بھی دلائل پر مبنی اور قطعی طور پر واضح ہے۔

حفاظت قرآن اور حفاظت سیرت کا قرآنی استدلال

جب حق تعالیٰ شانہ نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون کے الفاظ سے قرآن کی حفاظت کا وعدہ دیا تو یہ وعدہ یکساں طور پر سیرت مقدسہ کی حفاظت کے لئے بھی تھا۔ کیونکہ ان دونوں کی حفاظت اس نے ہم پر نہ چھوڑی بلکہ اپنے ذمہ لے لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن اور سیرت ہر لحاظ سے محفوظ ہیں۔ جب کہ گزشتہ امتوں کے انبیاء کی سیرت اور ان کی الہامی کتابوں کی حفاظت

تو در کنار کسی ایک کا نام و نشان تک آج موجود نہیں اس لئے اگر قرآن کی حفاظت بھی ہم پر چھوڑتی تو اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو توریت، انجیل کا اور ان کے لانے والوں کا ہوا اس لئے کہ ان کی حفاظت ان کی امتوں کے سپرد کی گئی تھی۔ جیسا کہ فرمایا۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدیً ونور یحکم بھا النبیون الّذین اسلموا لِلّذین ھادوا والرّبانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہِ

لیکن اس کے برخلاف قرآن اور صاف قرآن کی سیرت کی حفاظت کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لیا اور فرمایا کہ ہم ہی نے اسے اتارا ہے اور ہم ہی کے ذمہ ہے اس کی حفاظت۔

ابدیت سیرت کا دُوسرا اہم عامل

ابدیت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا سب سے بڑا عامل یہ ہے کہ آپ کی زندگی کی ایک ایک ادا روایات میں بھی محفوظ ہے سند متصل اور سند صحیح کے ساتھ محدثانہ طریقے سے اور روایت کے طور پر اور وہ بھی راویوں کے احوال اور ان کے پورے کردار کے ساتھ غرضیکہ ہر لحاظ سے آپ کی سیرت کلیتہً محفوظ ہے۔ اور چونکہ سب سے پہلی بات سند ہی ہوتی ہے جو کہ عقلی چیز نہیں بلکہ نقل کی جانے والی شے ہے جس میں اسناد روایت کی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور سند میں رجال پیش نظر ہوتے ہیں تاکہ روایت کرنے والے مشتبہ نہ ہونے پائیں اس لئے اسماء الرّجال کے مبسوط فن تحقیق کے ساتھ سیرت مقدسہ کا ہر پہلو احادیث میں کاملاً محفوظ ہے۔

بلکہ صحاح ستہ کتب احادیث مغازی کی کتابیں تاریخی دستاویزات کتب دلائل کتب شمائل مکہ و مدینہ کے حالات پر مبنی کتابیں سب کی سب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ہی کا علمی سرمایہ ہے۔ جو لاکھوں کی تعداد میں لکھی گئی ہیں۔

اہل علم کے سینوں کا ذخیرہ جاودانی

قرآن و حدیث کے علاوہ ہر دور میں اہل علم کے سینے سیرت مقدسہ کی حفاظت کا زندہ جاوید خزانہ رہے ہیں کہ امت میں سلف صالحین مقدسہ کی حفاظت کا زندہ جاوید خزانہ رہے ہیں کہ امت

ہیں سلف صالحین کے بعد خلف صالحین سینہ بہ سینہ سیرت مقدسہ اور علوم نبویہ کو نسلاً بعد نسل تازہ بہ تازہ آگے پہنچاتے چلے گئے ہیں اور آئندہ بھی قیامت تک کے لئے یہ فریضہ سرانجام دیتے جائیں گے اسی لئے فرمایا۔

یحمل ھذا العلم من کلّ خلف خلوف یُنفون عنہ تحریف الغالیین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین

کہ ہمیشہ اس امت میں سلف کے بعد خلف پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو اس علم کو حاصل کرتے رہیں گے جو سلف کا علم ہے۔ اور اس علم کی روشنی سے غلو کرنے والوں کی تحریفات کا پردہ چاک کریں گے اور غلط کاروں کی ضرر بافیوں کی اصلاح کریں گے اور جاہلوں کی رزقین سے تعبیرات کو کھول کر رکھ دیں گے اس واسطے حقیقت یہ ہے کہ اس امت میں علم کا تسلسل ہر دور میں قائم رہے گا۔ جو بھی علم لینا چاہے گا وہ جہالت میں نہیں رہے گا۔ رب تعالےٰ اس کے لئے علم کے دروازے کھول دے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔

والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا وانّ اللہ لمع المحسنین

یعنی جو ہمارے رستے میں جدوجہد کرے گا اور حق تلاش کرنے کی سعی و کوشش کرے گا تو ہم ضرور اسے حق کا رستہ دکھلائیں گے۔

ہیں "ل" تاکید ہے یعنی ہم بالضرور رہنمائی کریں گے۔

اور وہ یقیناً حق سے فیض یاب ہوگا۔ تو جس طرح قرآن کے ذریعہ اور احادیث کے ذریعہ سیرت مقدسہ کی حفاظت کا وعدہ ہوا اسی طرح ہر دور میں اہل علم کی ایک جماعت کا بھی وعدہ ہوا جن کے سینوں میں علم نبوی تازہ بہ تازہ محفوظ ہوگا۔ جن کا علم خود ساختہ نہیں ہوگا قوت مطالعہ اور سوچ بچار کا علم نہیں ہوگا۔ بلکہ اوپر سے سند لے کر وہ اس طرح علم کو حاصل کریں گے کہ الفاظ معنی کیفیات تعبیرات بلکہ ذہن تک سلف صالحین سے حاصل کریں گے اور اپنے پاس سے صرف جہد و کوشش یعنی اجتہاد کا حصہ ڈالیں گے کہ جس کے نتیجہ میں انہیں ہر پیش پا افتادہ مسئلے کا حل سیرت مقدسہ کی صورت میں سامنے کھلا مل جائے گا۔ کہ جس کی بنا پر وہ ہرگز کسی قسم کے شک و شبہ اور تحیر میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

متبعین سنت کا عملی مظاہرہ

سیرتِ مطہرہ کی حفاظت کا چوتھا سب سے بڑا عامل ہر دور میں متبعین سنت کا مظاہرۂ عمل ہے، کہ ہر زمانہ میں ایسے علماء وصلحاء پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا عمل ہی سنت نبوی کا واضح ثبوت ہے۔ گویا کہ اس طرح سیرت پاک قرآن وسنت کے علاوہ متبع سنت شخصیتوں کے ذریعہ بھی محفوظ ہے۔ اور محفوظ رہیگی اسی واسطے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ قیامت آنے تک امت میں ایک جماعت حق پر آتی رہے گی۔ جن کی موجودگی سے حق کبھی منقطع نہیں ہوگا چنانچہ فرمایا:۔

لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق حتی یأتی امر اللہ

بلکہ ایک اور مقام پر یوں فرمایا کہ

لاتزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خاذلھم ولا من خالفھم حتی یأتی امر اللہ

امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی جن کی اللہ کی طرف سے مدد کی جائے گی اور ان کی مخالفت کرنے والا یا ان کو روکنے والا انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اسی واسطے ہزار ہا علماء محدثین حکماء اور ائمہ جو متبعین سنت گزرے ہیں ان کا عمل اسی طرح سے چلا آرہا ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ صرف کمی بیشی کی بات ہے۔ نوعیت ایک بھی ہے تشخصات کا فرق ہو سکتا ہے حقیقت ایک ہی ہے اس لئے آج بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو اتباعِ سنت کی دلیل ہیں۔ اور ایک ایک معاملہ میں اور ایک ایک حالت میں سنت کی پیروکار ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے اور خاص طور پر علمائے ہند کا شاندار ماضی گواہ ہے کہ پھانسیاں کھڑی ہیں لیکن پھر بھی اتباعِ سنت میں فرق نہیں آیا۔ غرضیکہ چودھواں سو سال کی تاریخ ایسی ہزاروں مثالوں سے اٹی پڑی ہے کہ ہر زمانے میں سنت پر ڈٹ کر چلنے والے اور سیرت پر عمل پیرا ہونے والے اس قدر کے تعداد میں تواتر سے موجود رہے کہ ان کا اتباع ہی سیرت مقدسہ کی عملی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ بلکہ آج بھی ایسے صالحین موجود ہوں گے جن کے عمل کو ہی دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ سیرت پاک میں بھی ہے۔

سیرت کے مطالعہ کے لئے بصیرت لازم ہے

الغرض سیرت مقدسہ قرآن میں روایات میں اہل علم کے سینوں اور متبعین سنت کے عمل میں ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اس کے مطالعہ کے لئے اندرونی بصیرت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی کج بحثی کا شکار ہو کر حقیقت کی آنکھیں بند کرلے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ وہ محض تشکیک کی تاریکیوں میں کھو جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا :-

الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ

کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ہر اس چیز کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو متشابہ ہے تاکہ گمراہی پھیلادیں اور مطلب معلوم کریں

اس واسطے اگر توجہ کی جائے اور اتباع سنت کا جذبہ بھی ہو نیز اسوہ حسنہ کی پیروی اور سیرت مقدسہ کو اپنانے پر یقین ہو تو ہر کوئی سیرت کو ہر لحاظ سے تواتر کے ساتھ محفوظ پائے گا۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر آنکھیں بند کرلے اور حقیقت حال کو سمجھنے سے قاصر رہے تو ایسوں کے لئے فرمایا۔

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ دل ہی اندھے ہو جاتے ہیں کہ وہ حق کی بات سمجھ ہی نہیں سکتے

سیرتِ مقدسہ کے اثرات عملی جزئیات پر رونما ہونے چاہئیں :-

سیرت چونکہ عملی چیز ہے اس کا تعلق بھی زیادہ تر عملی جزئیات سے ہے۔ اور جزئیات عمل روزمرہ کے معمولات سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ حرکات وسکنات اخلاق وعادات اقوال واحوال نشست و برخاست خلوت وجلوت انفراد واجتماع زندگی کے وہ زاویے ہیں جن سے اعمال کے اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں ان ہی زاویوں کی تہذیب وترتیب کا نام انسانیت ہے۔ ان ہی کے صحیح رخ سے انسان حیوانوں کی صف سے نکل کر ممتاز اور ممتاز نظر آنے لگتا ہے اور ان ہی پر سیرت مطہرہ کا نافذ ہونا لازمی امر ہے کیونکہ یہی وہ معمولات ہیں جن پر سنت کی گہری چھاپ ہونی چاہیئے۔ ورنہ کلیات واصول کا تعلق تو قانون ساری ہوتا ہے۔ جو زیادہ تر بیان وتشریح کے قابل ہوتے ہیں۔ اور صرف جزئیات کے ذریعہ

ہی عملی صورت اختیار کرتے ہیں اس واسطے ضروری ہے کہ اتباع سنت سے جزئیات کا ایسا ڈھانچہ تیار ہو جو سیرت نبوی کے عین مطابق اور اس کا سچا پرتو ہو۔ ورنہ کلیات کا علم تو ہر ایک کے لئے ضروری نہیں کیونکہ یہ علم فرض کفایہ ہے۔ جہاں پر اتباع سنت فرض عین ہے جس سے کسی مسلمان کو فرار نہیں۔ امت میں چند ہی علماء ہوں گے لیکن متبع سنت ہونا ہر ایک کے واسطے ضروری ہوگا۔

وقت کی اہم ضرورت سیرت مقدسہ کا عملی پیغام

دور حاضر کی اہم ترین ضرورت بھی ہے کہ سیرت مطہرہ کے عملی پہلو کو ہر زاویہ زندگی میں اجاگر کیا جائے اور اس کے لئے کلیات دین کے علاوہ عمل میں بھی امت مسلمہ کی سیرت سازی کا منصوبہ بنایا جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ متبعین سنت کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جائے جو عوام کے لئے سیرت مقدسہ کا خالص نمونہ بن کر سامنے آئے۔ اور تعلیمی اداروں سے لے کر قومی ذرائع ابلاغ تک ہر مقام پر ایسے متبعین سنت کو کھڑا کر دیا جائے جو امت مسلمہ کے ہر فرد کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر بنا دیں اور جو کچھ کہیں وہ عطا کر کے بھی دکھا دیں بلکہ قول سے پیشتر عمل کا پریکٹیکل سامنے رکھ دیں تاکہ مخاطب کو کم کہنے اور زیادہ کرنے کی تربیت ہو۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی امت کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جس سے ہم غافل ہیں۔

سیرت سازی کے منصوبہ کیلئے ضابطہ عمل

عالمی سطح پر امت مسلمہ کی سیرت سازی کے لئے جو منصوبہ تیار ہو اس کے لئے تین چیزیں نہایت ہی ضروری ہیں۔

وحی کے قرآنی الفاظ کے ساتھ معانی بھی وحی کی زبان سے ہی لئے جائیں:۔

جہاں سے قرآنی آیات کی تفسیر قطعی طور پر میسر آتی ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کے بارے میں کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اس لفظ کے کئی معنی ہیں مناسب حال ایک کو اختیار کر لو بلکہ آپ منتظر رہتے تھے کہ حق تعالیٰ کیا مراد ہیں قلب پر وارد فرماتے ہیں بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پوچھتے کہ آیت کے معنی کیا ہیں۔ تو آپ فرماتے کہ مجھے معلوم نہیں کہ مراد کیا ہے پھر فرماتے استفتیت ربی

فافتانی کہ مَیں نے اپنے ربّ سے استفتا کیا تو میرے رب نے مجھے فتویٰ دیا کہ یہ معنی بیان کر دو چنانچہ وہی معنی مراد ربانی ہوں گے جنہیں خود حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وارد فرمایا اور اپنے صحابہ سے بیان کیا۔ کیونکہ آپؐ جہاں پر الفاظ میں امین ہیں۔ وہاں پر معانی میں بھی امین ہیں۔ اور جیسے آپ پر الفاظ نازل ہوئے وہاں پر معانی کا نزول بھی ہُوا۔ حق تعالیٰ کی جانب سے وحی کی جمع و حفاظت کا حال یہ ہے کہ فرمایا۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به، کہ اے پیغمبر (اس خیال سے کہ آپ بھول نہ جائیں) جلدی نہ کیا کریں۔ انا علينا جمعه و قرانه ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اسے جمع بھی کر دیں اور پڑھوا بھی دیں۔ (علیٰ کا لفظ لازم کرنے کے لئے آتا ہے) واذا قرانٰه فاتبع قرانه جب ہم پڑھیں یا ہمارا فرشتہ پڑھے تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کریں آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی لفظ رہ جائے گا۔ پھر فرمایا ثم ان علينا بيانه کہ ہمارے ہی ذمہ ہے اس کے معانی اور مرادات کو سمجھانا۔

جہاں پر پڑھنے کا تعلق الفاظ سے ہے وہاں معانی و مرادات بیان سے متعلق ہے تو اللہ نے جس طرح الفاظ اتارے ہیں ویسے ہی آپؐ پر معانی بھی نازل کئے گئے ہیں۔ الفاظ کے معانی لغت سے نہیں لئے گئے۔ شریعت سے لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ لفظ صلوٰۃ کا معنی لغت میں دُعا کا ہے لیکن شریعت میں دُعا کے پورے نظام کو صلوٰت کہتے ہیں۔ صرف دُعا کرنے سے لغت کا تقاضا تو پُورا ہو جاتا ہے لیکن جب تک نماز کے تمام تر افعال خاصہ کو بجا نہ لائیں اس وقت تک قرآن کا منشاء پُورا نہیں ہوتا یہی کیفیت اسلام میں تمام تر عملی زندگی کی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن جو دکھی انسانیت کے لئے نسخہ کیمیا ہے اس سے بہرہ یاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طبیب اعظم کی تشخیص و تجویز کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ پیغمبر اسلام کو بھی بھیجا کہ جہاں کتاب شفاء لما فی الصدور ہے وہاں پر نبی کی ذات گرامی مریضان نفوس کے لئے آخری امید گاہ بھی ہے۔ کہ جہاں پر مرض پہچان کر اور مزاج معلوم کر کے صحیح علاج تجویز ہوتا ہے۔

قرآن نے نبی کی تجویز و تشخیص کو بھی وحی قرار دیا اور فرمایا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی

کہ آپ کا نطق بھی آپ کی اپنی مرضی سے نہیں وہ تو سرت وحی الٰہی سے ہی ہوتا ہے۔

علمار وصلحار کی جماعت کا قیام

وحی کے قرآنی الفاظ اور وحی کے معانی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سامنے ایسی شخصیت بھی موجود ہو جو قرآن کا حقیقی منشا ہے۔ بالفاظ دیگر علمار وصلحار کی صورت میں ایسی جماعت کا ہونا لازمی ہے جن سے وحی کا عملی تشخص اور تعین ہو سکے۔

معاشرے میں تمام وہ ادارے جو افراد پر براہ راست یا بالواسطہ اثر انداز ہو سکتے ہوں۔ ان میں ایسے کارکن متعین کے جانے چاہئیں جن کا عملی معیار اس پایہ کا ہو یا وہ قرآن و سنت کے عملی تشخص کو اپنانے کا عزم بالجزم رکھتے ہوں۔ ورنہ بصورت دیگر اصول وضوابط کو نافذ کرنے کا سہارا کام بحران کا شکار ہو جائے گا اور کلیات دین جزئیات عمل کی سطح پہ آکر منہدم ہو کر رہ جائیں گے۔ اس واسطے لازمی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے با اختیار اہل کاروں میں لے کر نیچے تک یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین اساتذہ سے لے کر پرائمری کی سطح تک اور سماجی بہبود کے کارکنوں اور اندرون و بیرون ملک کے تمام تر افسروں کو اسی رنگ میں رنگ دیا جائے کہ وہ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کے مصداق اتباع سنت کی پابندی کو اپنا بہترین نصب العین خیال کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تقویٰ اور خشیت الٰہی معاشرے کی ہر سطح پہ زندگی کا ایک اہم عنصر بن جائے گا۔

ذہنی تربیت اور موافق ماحول

سیرت سازی کے عظیم نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ مخاطب کی ذہنی تیاری اور تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ نیز معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس سے اذہان خود بخود سیرت کے سانچے میں ڈھلتے چلے جائیں۔ اور کہیں سے بھی معاشرے کے افراد کی جانب سے مزاحمت کا سامنا نہ ہو۔

اس لئے لازم ہے کہ تمام وہ عناصر جو سنت کے اتباع کے رستہ میں منفی طور پہ اثر انداز

ہوسکتے ہیں۔ انہیں سنت کے منشا کے مطابق از سر نو منظم کیا جائے۔ اور ان کی تمام تر خلاف سنت سرگرمیوں پر قدغن لگا دی جائے تاکہ معاشرہ بے لگام نہ ہونے پائے بلکہ ایسا ماحول پیدا ہوجائے جو اتباع سنت کے موافق اور سیرت مقدسہ کے نفاذ کے لئے معاون ہو۔ اس لئے ضروری ہوگا کہ تمام تر ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، ٹیلیویژن اور سینما وغیرہ کے نظام کو اصلاحی اور تعمیری مقاصد کے لئے حرکت میں لایا جائے۔

تعلیمی اداروں کے ماحول کی اصلاح کی جانب خصوصی توجہ کی ضرورت ہوگی۔ اساتذہ کے کردار کو سیرت پاک کے مطابق ڈھالنے کی مخلصانہ کوشش کی جائے۔ نیز یہ اصلاح احوال کا کام نفیر اسلام کے موجودہ معاشی معاشرتی قانونی اور سیاسی بنیادوں پر جاری ہونے والے تمام تر منصوبوں کے ساتھ متوازی سطح پہ کیا جانا چاہیئے۔ تاکہ انتظامی طور پہ قانون سازی اور نفاذ اسلام کے اصولی ضابطے عملی جزئیات تک کی اصلاح کا باعث بنتے جائیں اور پندرھویں صدی کے آغاز پر نظام مصطفٰے کی نفاذ کا جو تجربہ جو مملکت خداداد میں کیا جا رہا ہے حقیقی کامیابیوں سے ہم کنار ہو۔

وقت کا اہم تقاضا

اسلام زندگی میں سنت مطہرہ کے عملی اہتمام کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ سیرت مقدسہ کی اشاعت و ترویج کا بھی پوری طرح سے اہتمام کیا جائے۔ اور ایسے مسودے تیار کرائے جائیں جو نہایت آسان اور سادہ طریقے پر سیرت النبی صلعم کو ہر فرد اور مسلمان کے سامنے حسین انداز میں پیش کریں۔ خاص طور پر ابتدائی اور ثانوی مدارس کی سطح پہ سیرت مقدسہ کی عام فہم کتب تیار کرا کے بچوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق صالحہ اور اسوہ حسنہ سے روشناس کرایا جائے تاکہ مستقبل کی قوم صحیح معنوں میں سیرت نبوی کے حسین سانچے میں ڈھل کر منصۂ شہود پہ آسکے۔

حصول برکات کا واحد ذریعہ سیرت کا عملی نفاذ

امت مسلمہ میں نفاذ اسلام کی برکات سے بہرہ یاب ہونے کا واحد ذریعہ بھی ہے کہ کلیات و اصول کے ساتھ ساتھ جزئیات میں بھی سیرت کو نافذ کیا جائے۔ تاکہ امت جلد از جلد برکات سماوی کے حصول میں کامیاب ہوسکے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ سنت کی تابعداری سے قوم بہت سی علمی اور عملی

قوتوں سے ہمکنار ہوگی جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم

کہ سنت کی برکت سے اللہ قلوب کے اندر ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جس سے معرفت نصیب ہوتی ہے اور برکتوں اور سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ صحابہ اکرام کی مثال سامنے ہے وہ کوئی لمبے چوڑے کتابوں کے کیڑے نہیں تھے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پڑھے لکھے ہوں بلکہ وہ صرف سنت کے پیروکار تھے جس کی برکت سے اللہ نے ان کے قلوب پر ایسے علوم القا کئے تھے جو علماء کو بھی نصیب نہیں جبکہ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا بحر بیکراں تھا سنت رسول کی راہنمائی میں عمل کا پیکر جن کے انسانیت کے واسطے اسوہ حسنہ کی مثال تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت کا شہنشاہ روم اصحابہ اکرام کی والہانہ اتباع سنت کی تفصیل سن کر اپنے اراکین سلطنت کے سامنے اعلان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے پیروکار اس تخت کے مالک ہوں گے۔ جن کو دنیا میں روکنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ دنیا والوں نے دیکھا کہ صحابہ اسوۂ نبوی کی مثال لے کر عرب کے صحرا سے اٹھے اور چار دانگ عالم پر چھا گئے۔ آج تاریخ ان کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ اس واسطے آج بھی اگر ہم صحابہ کے اعمال کو ہر زاویہ زندگی میں اپنائیں تو ویسے ہی حیرت انگیز کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

سیرتِ نبویؐ میں عہدِ حاضر کیلئے پیغام
فطری نظامِ حیات کا نفاذ

(ڈاکٹر محمد سعود، ادارہ تحقیقات اسلامی)

کانفرنس کا عمومی موضوع ہے "سیرت نبوی میں عہد حاضر کے لئے پیغام" میرے خیال میں عہدِ حاضر کے لئے سب سے بڑا پیغام اس فطری نظام حیات یعنی اسلام کا نفاذ ہے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے دوران انفرادی اور اجتماعی سطح پر نافذ فرمایا اس وقت دنیا میں جو نظامہائے حیات پائے جاتے ہیں ان میں اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلم ممالک بھی ان میں سے کسی نہ کسی نظام سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان دونوں نظاموں کے بارے میں انتہائی اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوّل الذکر نظام میں مرد اپنی فطری آزادی سے محروم ہے اور آخر الذکر میں۔ فرد کو اتنی زیادہ آزادی حاصل ہے کہ وہ معاشرے کے دوسرے افراد کی آزادی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

حالات حاضرہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مشرق و مغرب کے لوگ اپنے مروجہ نظامہائے حیات سے غیر مطمئن اور بیزار ہیں اور شعوری یا لاشعوری طور پر کسی ایسے نظام حیات کے لئے مضطرب اور بے چین ہیں جو ان کے فطری تقاضوں کو پورا کر کے ان کے سکون و اطمینان کا باعث بن سکے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک پیاسا انسان اپنی فطری پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں سرگرداں ہو یا فضا میں چھوڑا ہوا پتھر اپنے فطری مقام یعنی سطح زمین پر آنے کے لئے تیزی سے متحرک ہو۔ لوگوں کا یہ اضطراب اس بات کی واضح علامت ہے کہ مرّوجہ نظاموں میں فطرت انسانی کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب نظام غیر فطری ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسا نظام حیات بھی موجود ہے جو فطری کہلائے جانے کا مستحق ہو یعنی جس میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہو کہ فطرت انسانی کے تقاضوں

کو پورا کر سکے اور انسانوں کو سکون و اطمینان بہم پہنچا سکے ۔ جب ہم اس نکتہ نظر سے مختلف نظامہائے حیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ایسا نظام حیات صرف اسلام ہے ۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالٰے ہے :-

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التي فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله۔ (الروم - ۳۰)	اپنا رُخ یکسو ہو کر دین کی طرف کر لو۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام یعنی اسلامی نظام حیات فطرت انسانی کے عین مطابق ہے ۔ اور چونکہ فطرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ۔ اس لئے ہر دور کے انسانوں کے لئے اسی دین کو اختیار کرنا ضروری ہے ۔

اللہ تعالٰی نے انسان سمیت تمام اشیائے کائنات کی ایک فطرت بنائی ہے یعنی ان اشیاء میں کچھ خصوصیات رکھدی ہیں جن کا اظہار ان اشیاء کے مخصوص قوانین سے ہوتا ہے مثلاً روشنی کی یہ خاصیت یا اس کا یہ قانون ہے کہ جب وہ کسی چمکدار شئے پر پڑتی ہے تو ایک مخصوص زاویے پر منعکس ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح اگر کسی مقناطیسی سوئی کو آزادانہ معلق کیا جائے تو وہ اپنا رُخ شمالاً جنوباً کر لیتی ہے ۔ اسی طرح ہر شئے اپنے مخصوص قوانین پر عمل کر کے اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل پر مجبور ہے ۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالٰی ہے ۔ اعطی کل شئ خلقه ثم هدی ۔ اس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی ۔ پھر اس کی رہنمائی کر دی ۔ یہ رہنمائی دراصل قوانین کی شکل میں ہے جس کے پابندی کرنے پر کائنات کی ہر چیز مجبور ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ہر چیز جبراً اللہ تعالٰے کی عبدیت میں داخل ہے ۔ لیکن اللہ تعالٰے کو ایک ایسی مخلوق کو بھی پیدا کرنا منظور تھا جو اپنے ارادے اور اختیار سے بھی اللہ تعالٰے کی عبدیت میں داخل ہونا قبول کرے ۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا اور اس کی بھی ایک مخصوص فطرت بنائی گئی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

كل مولود يولد على الفطرة ثم ابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (بخاری کتاب الجنائز)	ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے ۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں ۔

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ان قوانین کا جن کی اس کو پابندی کرنی چاہیئے۔ علم پیدائشی طور پر حاصل ہے۔ اور اس کا فطری تقاضہ ہے کہ وہ ان پر عمل کرے مگر وہ ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہ ماحول کے اثرات کی وجہ سے فطری تقاضے کے خلاف ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کر لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

وھدیناہ النجدین (البلد آیت ۱۰) ہم نے اس کو دونوں راستے دکھائے۔

ہر انسان اس عظیم ترین ہستی کی بندگی کرنا چاہتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفع اور نقصان ہو اور ان اشیاء کی جن کے قبضے میں ان کا نفع نہ ہو وہ ہرگز بندگی کرنا نہیں چاہتا۔ اس طرح ایک اللہ کی بندگی انسان کے نزدیک معروف اور غیر اللہ کی بندگی منکر ہے۔ مگر ماحول کے اثرات کی وجہ سے وہ غلطی سے کسی مخلوق کو اپنے نفع نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی بندگی کرنے لگتا ہے۔

اسی طرح ہر انسان بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو نا پسند مثلاً وہ پسند کرتا ہے صداقت کو، رحمدلی کو اور اخلاص کو اور ناپسند کرتا ہے جھوٹ کو ظلم کو اور منافقت کو۔ مگر ماحول کے اثرات کی وجہ سے بعض لوگ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور ظلم بھی کرتے ہیں وہ ان باتوں کو دل سے پسند نہیں کرتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی جھوٹے انسان سے بھی جھوٹ بولا جائے یا ظالم پر بھی ظلم کیا جائے تو وہ اسے کبھی پسند نہیں کرے گا۔ مگر صداقت رحمدلی وغیرہ ہر حال میں ہر ایک کو پسند آتی ہے۔ ان پسندیدہ اور ناپسندیدہ صفات کے لئے قرآن کریم میں دو نہایت بلیغ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں سے ایک ہے معروف اور دوسرا ہے منکر۔ معروف کے معنی ہیں جانی پہچانی۔ مانوس اور پسندیدہ چیز اور منکر کے معنی ہیں نامانوس بُری اور ناپسندیدہ چیز۔ معروف پر عمل کرنا، منکر سے دور رہنا ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ دیگر اشیائے کائنات کی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی یہ مخصوص فطرت تو بنائی مگر اشیاء کے برعکس اس کو اپنی فطرت کے تقاضوں پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ معروف اور منکر کے راستے دکھا کر اس کو ان میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کرنے کی آزادی دیدی گئی تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبدیت اختیار کرتا ہے یا نہیں۔

انا ھدینا السبیل اما شاکرا اما کفورا (الدھر ۳) ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے اب چاہے وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا

کے علاوہ جس کو وجدان کہا جاتا ہے انسان میں ایک اور صلاحیت رکھدی گئی کہ اگر انسان معروف کا ارادہ یا اس پر عمل کرتا ہے تو انسان کے اندر سے تحسین و آفرین کی صدا آتی ہے اور اگر منکر کا ارادہ یا اس پر عمل کرتا ہے تو ملامت کا احساس ہوتا ہے۔ اس صلاحیت کا نام ضمیر ہے۔ وجدان اور ضمیر کے علاوہ انسان میں حواس بھی پائے جاتے ہیں جن کا تقاضہ ہے مشاہدہ کرنا۔ اس میں عقل بھی موجود ہے جس کا کام ہے مشاہدے سے حاصل شدہ مواد پر استدلال کر کے نتائج اخذ کرنا۔ ان کے علاوہ انسان میں احساسات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں خواہشات بھی موجود ہیں۔ اب وہ نظام یقیناً فطری کہلائیگا جو ان فطری صلاحیتوں کو معطل نہ کرے بلکہ معروف کی حدود میں اظہار کا موقعہ دے اور منکر کی حدود میں آنے سے روکے۔

اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ کوئی نہ کوئی فطری صلاحیت یا تو معطل تھی یا اسی کا استعمال اس کے فطری تقاضے کے خلاف ہو رہا تھا مثلاً ہر جگہ اللہ تعالٰے کے بجائے زمین و آسمان کی کسی نہ کسی چیز کو نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کی جا رہی تھی۔ معروف کو چھوڑ کر منکر پر عمل ہو رہا تھا۔ کہیں کہیں نیک نیتی سے منکر کو معروف سمجھکر اختیار کیا جا رہا تھا مثلاً سخاوت کے نام پر اسراف ہو رہا تھا جیسے عرب میں یہ مقابلہ ہوتا تھا کہ کون اپنے اونٹ زیادہ تعداد میں ذبح کرتا ہے۔ جو زیادہ ذبح کرتا وہ سخاوت میں بڑھا ہوا شمار ہوتا۔ اسی طرح خودداری کے نام پر غرور اور حمیت کے نام پر عصبیت کو اختیار کیا جا رہا تھا۔ علم جس کا حصول انسان کی فطری خواہش ہے۔ پادریوں اور پنڈتوں کی اجارہ داری تھی۔ کہیں کہیں جہالت کو فخر کی بات سمجھا جاتا تھا۔ حواس کے ذریعہ کے ذریعہ مشاہدات اور عقل کے ذریعے استدلال کر کے قوانین فطرت دریافت کرنے کا سلسلہ ساری دنیا میں منقطع تھا۔ ضمیر کی آواز کو مذہبی طبقوں یا حکام وقت کی طرف سے دبایا جا رہا تھا۔ یورپ میں رہبانیت کے نام پر انسانی تعلقات اور جنسی روابط کی فطری خواہشات کو کچلا جا رہا تھا۔

ہندو جوگیوں میں انسان کی فطری خواہشات کو فنا کر کے جذبات کو کچلنا اور جسم کو تکلیفات پہنچانا عبادت کا سب سے بڑا کام اور روحانی ترقی کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ ادھر اس وقت دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی سلطنت روما اور سلطنت فارس کے حکمران اپنی رعایا کی خدمت کی

بجائے جو کہ تنظیم انسانی کا فطری مقصد ہے عوام کی جان و مال کو اپنی خدمت اور عیش و عشرت کے لئے استعمال کر رہے تھے اور عوام سے عبادت کی حد تک اپنی اطاعت کرا رہے تھے ۔ غرضیکہ ہر طرف فطرت انسانی کے خلاف جنگ جاری تھی ۔

اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین فطرت یعنی فطری نظام حیات اسلام کا پیغامبر بنا کر مبعوث فرمایا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو یہ بتایا کہ نفع نقصان کا اصل مالک صرف اللہ ہے لہٰذا وہ صرف اسی کی عبادت و اطاعت کریں ۔ آپ نے معروف کی دعوت دی ۔ منکر سے روکا ۔ اور تمام قوائے ظاہری و باطنی اور تمام فطری صلاحیتوں کو معروف کی حدود میں استعمال کرنے کی ہدایت دی ۔ آپ ؐ نے ایک طبیب روحانی کے طور پر اپنی تعلیم کے ذریعے لوگوں کو معروف کو اختیار کرنے اور منکر سے دور رہنے کے فطری تقاضے کو اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی ۔ اسی روحانی علاج کا نام تزکیہ ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی انسان کی بھوک ختم ہونے یا اس کا ذائقہ خراب ہونے پر ماہر طبیب علاج کر کے اس کو اس کی فطری حالت کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا ذائقہ ٹھیک ہو جائے اور بھوک بحال ہو جائے آپ ؐ نے یہ تعلیم دی کہ تمام فطری صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں جن کو معروف کی حدود میں استعمال ہونا چاہیئے اور ان کو نہ تو بیکار چھوڑنا چاہیئے اور نہ ہی منکر کی حدود میں لانا چاہیئے جو لوگ انسانوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر اللہ کو پکارتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انسانوں کے درمیان زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی ۔ جو لوگ جہالت میں گرفتار تھے ان کو حصولِ علم کی تاکید کی گئی ۔ حواس اور عقل سے کام لینے پر زور دیا گیا ۔ جو لوگ لذت و خواہشات کے فنا کرنے اور جسم کو اذیت دینے کو عبادت سمجھتے تھے ۔ ان کو اللہ کی نعمتیں استعمال کرنے اور جسم کو اذیت سے بچانے اور راحت پہنچانے کی ہدایت کی گئی ۔ وہ تمام اقدامات کیئے گئے جن سے انسان اپنی فطرت کی طرف لوٹ سکے اور تمام فطری صلاحیتوں کو توازن کے ساتھ بروئے کار لا سکے ۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق تمام فطری صلاحیتوں کو توازن کے ساتھ استعمال کیا جائے تو معاشرہ راستی پر آ جاتا ہے ۔ اور معاشرے کو راستی پر لانا ہی دراصل پیغمبروں کی بعثت کا مقصد

ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالٰے ہے ۔

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ۔ (الحدید ۔ ۲۵)	اور ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ راستی پر قائم ہوں ۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے کو راستی پر لانے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ایک پیغمبر کی شخصیت دوسرے اللہ تعالٰے کے احکام و قوانین پر مشتمل کتاب تیسرے اللہ کے احکام و قوانین پر توازن کے ساتھ عمل۔ پیغمبر خود بھی توازن کے ساتھ عمل کر کے دکھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ وہ انہیں کی طرح عمل کریں ۔

اِس آیت میں لفظِ میزان غور طلب ہے ۔ میزان ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جو دو اطراف کے درمیان توازن یا عدم توازن کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی مدد سے دونوں اطراف کے درمیان توازن بھی قائم کیا جا سکتا ہے جب میزان کے دونوں طرف وزن برابر نہیں ہوتا تو میزان کی ڈنڈی سیدھی نہیں رہتی ۔ اس کا ایک سرا اوپر کو اٹھ جاتا ہے اور دُوسرا نیچے کو جُھک جاتا ہے جو سرا اوپر کو اٹھا ہُوا ہوتا ہے اس میں ایک قسم کا تناو پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نیچے کی طرف آکر دُوسرے سرے کے برابر ہو جانا چاہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نیچے والے سرے کا وزن کم کر دیا جائے تو اوپر والا سرا نیچے ہو کر پہلے والے کی سیدھ میں آجاتا ہے ۔ اسی طرح اگر افراد کی مختلف صلاحیتوں کے درمیان عدم توازن قائم ہو یا معاشرے کے مختلف طبقوں کے درمیان عدم توازن پایا جاتا ہو تو افراد اور معاشرے کے بعض افراد اور بعض طبقوں میں تناو کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں اس عدم توازن سے ان میں اطمینان باقی نہیں رہتا اور باہم نفاق اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ بدامنی اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ۔

میزان کی دونوں اطراف میں برابری کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ میزان کی ایک طرف بعینہٖ دوسری طرف جیسی ہو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ دونوں اطراف کے وزن یعنی ان دونوں کی قوتیں برابر ہوں ۔ خواہ دونوں طرف کی اشیاء بعینہٖ ایک جیسی ہوں یا نہ ہوں ۔ میزان کے ایک پلڑے میں گیہوں اور دوسرے میں چنے ہوں یا دونوں میں گیہوں ہوں ۔ دونوں صورتوں میں توازن

پیدا ہو سکتا ہے بشرطیکہ دونوں پلڑوں کی قوتیں یعنی پلڑوں کے وزن برابر ہوں۔

دراصل دو چیزوں کا ہر لحاظ سے ایک جیسا ہونا فطرتِ کائنات کے خلاف ہے۔ البتہ قوتوں کو برابر کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم گرامی ہیں بدیع جس کے معنی ہیں بغیر نمونے کے کسی چیز کو پیدا کرنے والا۔ اس اسم گرامی کا تقاضہ ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ مشاہدات اور سائنسی تحقیقات سے اس بات کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ مثلاً دو درختوں کی سبزی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ دو شاخوں کے پھول ایک جیسے نہیں ہوتے ایک پھول کی دو پتیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ اس کائنات کی مختلف اشیاء کی قوتیں بھی مساوی نہیں ہوتیں۔ زمین چاند سورج وغیرہ میں قوتِ کشش پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اگرچہ ان کی کشش کی قوتیں مساوی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی قوتوں کی عدم مساوات کے باوجود ان کی قوتوں کا اثر برابر کر کے ان میں توازن پیدا فرما دیا ہے۔

والسّمآء رفعها ووضع المیزان الّا	اور آسمان کو بلند کیا اور اسی میں توازن قائم
تطغوا فی المیزان۔ (الرحمٰن۔ ۸)	کیا کہ تم اس توازن میں بگاڑ پیدا نہ کرو گے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی سیارہ دوسرے سے نہیں ٹکراتا۔ قرآن کریم میں زمین۔ چاند اور سورج کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ

لا الشمس ینبغی لها ان تدرك القمر	نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو آلے، نہ
ولا الیل سابق النهار، کلٌّ فی فلك	رات دن سے پہلے آ سکتا ہے اور سب اپنے
یسبحون۔ (یٰسٓ۔ ۴۰)	اپنے فلک میں تیرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے یہ توازن کیسے قائم کیا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ممکن ہے یہ توازن فاصلہ کی مناسب ترتیب پر قائم کیا گیا ہو جیسے روز مرّہ کے مشاہدات سے توازن کے قیام کی بعض صورتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بچّے ایک کھیل کھیلتے ہیں جس میں ایک ڈنڈا زمین میں گاڑ کر اس پر ایک تختہ رکھ دیا جائے اور مساوی وزن کے بچّے اس کے دونوں بیٹھ جائیں تو توازن برقرار رہتا ہے لیکن اگر ایک بچّہ بھاری ہو تو پھر تختے کو کم وزن والے بچّے کی طرف سرکانا پڑتا ہے! اس طرح چھوٹے بچے کی طرف تختے کا زیادہ حصّہ کر دینے سے قوتوں کا توازن قائم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں مختلف اشیاء کو مخصوص نسبتوں میں پیدا کیا ہے۔ مثلاً ہوا میں چار نائٹروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔ اگر اس نسبت میں فرق آجائے۔ مثلاً نائٹروجن کی مقدار زیادہ ہو جائے یا ہوا میں دوسری گیس مثلاً کاربن ڈائی آکسائڈ زیادہ مقدار میں شامل ہو جائیں تو ایسی ہوا میں سانس لینے سے انسانوں اور حیوانوں کی نشو و نما متاثر ہوگی اور ہلاکت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کائنات میں توازن قائم فرمایا اور انسانوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے اعمال میں توازن قائم کریں۔ چنانچہ حکم ہوا :۔

واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان (الرحمٰن ۔ ۹) اور وزن کو برابری کے ساتھ قائم کرو اور میزان میں کمی نہ کرو۔

یہ حکم صرف ترازو سے تول ہی کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ تمام انسانی اعمال میں توازن و اعتدال قائم کرنے کے لئے ہے ۔ انسانی معاشرے میں توازن پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکامات دیئے ہیں مثلاً مختلف افراد کے درمیان اقتصادی عدم توازن کو دور کرنے کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی ۔ حدیث شریف میں زکوٰۃ کے بارے میں آتا ہے کہ مالدار لوگوں سے لی جائیگی اور مفلس لوگوں کو دی جائے گی ۔ اسی طرح افراد کو بھی اپنے مختلف اعمال میں بھی توازن اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مال خرچ کرنے کے بارے میں حکم ہے ۔

ولا تجعل یدك مغلولة الیٰ عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً۔ (بنی اسرائیل ۔ ۹) نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھو اور نہ اس کو پوری طرح کھول ہی دو ، یعنی نہ بخل ہی کرو کہ کچھ بھی خرچ نہ کرو اور نہ یہ کرو کہ سارا مال دوسروں کو دے کر بالکل خالی ہو جاؤ اور حسرت زدہ اور علامت زدہ بن جاؤ ۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور چونکہ فطرت بدلتی نہیں ہے لہٰذا یہی دین جو آج سے چودہ سو سال پہلے قابل عمل تھا وہ آج بھی قابل عمل ہے اور جس طرح پچھلے ادوار میں انسانی مسائل کا حل پیش کرسکتا تھا اسی طرح آج بھی پیش کرسکتا ہے ۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے

ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت معاشرہ بہت سادہ تھا مگر آج معاشرے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام انسانی معاشرے کے لئے اصول و کلیات فراہم کرتا ہے جو کہ فطرت انسانی کے عین مطابق اور ناقابل تغیر ہیں اور مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان اصول و کلیات کی حدود میں رہ کر اپنا نظام حیات مرتب کریں اور اپنے مسائل کو حل کرتے رہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ کل مسکر حرام یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ یہ ایک کلیہ ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ دنیا کا کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ اس کا ذہنی یا جسمانی توازن بگڑ جائے یا اس کی صحت خراب ہو جائے یا زندگی خطرے میں پڑ جائے چونکہ نشہ آور چیزیں جلدی یا بدیر ذہنی اور جسمانی توازن کو بگاڑتی ہیں اور صحت و زندگی کے لئے خطرہ ثابت ہوتی ہیں اس لئے ان کو حرام کر دیا گیا۔ یہ تو ہوئی ایک ایسی مثال جس میں ایک فطری قانون کام کرتا ہے۔ اب ذرا پیچیدہ مثال لیجئے جس میں بیک وقت کئی قوانین کار فرما ہیں۔ مثلاً اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ایک مسلمان کو کونسا لباس پہننا چاہیئے اور کونسا لباس اسلامی کہلا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لباس کے لئے اسلام نے چند اصول مقرر کر دیئے ہیں جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں مثلاً یہ کہ لباس ستر پوش ہو۔ ظاہر ہے کہ فطرتاً ہر انسان میں شرم و حیا پائی جاتی ہے اور وہ اپنا ستر چھپانا چاہتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے دوسرا اصول یہ ہے کہ لباس فخر و غرور کے اظہار کے لئے نہ ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ فطرتاً کوئی انسان فخر و غرور کو پسند نہیں کرتا۔ تیسرا یہ کہ وہ کسی قوم کا مذہبی شعار نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

من تشبہ بقوم فھو منھم — جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہو گا۔

کسی قوم کا مذہبی شعار اختیار کرنے سے انسان کی سب سے نمایاں انفرادیت یعنی عقیدے کی انفرادیت متاثر ہوتی ہے جبکہ انفرادیت کی حفاظت انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے اور اب ان اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے ذوق اور ضرورت کے لحاظ سے مختلف سائز وں ڈیزائنوں فیشنوں، رنگوں اور کپڑے کی مختلف قسموں کے لباس بنائے جا سکتے ہیں اور یہ سب لباس اسلامی ہی ہوں گے لیکن اگر کوئی لباس ایسا بنایا گیا جس میں یہ اصول یا ان میں سے کسی ایک کا لحاظ نہ رکھا گیا مثلاً

یہ کہ یہ لباس ستر پوش نہ ہوتا تو پھر یہ لباس اسلامی نہیں کہلائے گا اور ایسے لباس کا استعمال کرنا ناجائز ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ ظہور اسلام کے وقت انشورنس اور بینکنگ کا پیچیدہ نظام رائج نہیں تھا اس لئے اس دور میں اسلام اس پر کیسے اثر انداز ہو سکتا ہو، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اسلام نے کچھ اقتصادیات کے اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے تحت بینکنگ اور انشورنس کے نظام کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً شرکت و مضاربت کے قوانین۔ سود کی مخالفت کا قانون وغیرہ۔ مختصر یہ کہ اسلام نے جو سادہ اصول مقرر کر دیئے ہیں ان کے تحت پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے حساب کے سادہ قواعد جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی مدد سے حساب کے پیچیدہ سے پیچیدہ سوالات حل کئے جا سکتے ہیں۔

ہر دور اور موجودہ دور میں اسلام کے قابل عمل ہونے کے سلسلے میں ایک اہم نکتے کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی بھی عمل ہو کسی مقام پر بھی وہ انجام دیا گیا ہو اور کسی ذریعے سے بھی وہ کیا گیا ہو وہ یا معروف کے دائرے میں آتا ہے یا منکر کے۔ اسلام نے معروف اور منکر کی وضاحت پوری طرح کر دی ہے اور اس کے بارے میں احکام بھی صادر کر دیئے ہیں اب اگر ان اعمال کے ذرائع مقامات یا انداز بدل جائیں تو اعمال کی نوعیت اور ان کے احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً اس دور میں کلب، سینما، تھیٹر۔ ٹی وی۔ ریڈیو وغیرہ موجود ہیں جو پہلے نہیں تھے تو یہ دراصل مختلف مقامات اور ذرائع ہیں جن میں مختلف انداز سے اعمال ظہور پذیر ہیں۔ اسلام میں فحاشی ممنوع ہے اس لئے کہ وہ منکر ہے۔ تو اب فحاشی چاہے وہ جھونپڑیوں میں ہو یا محلات میں، یا سڑک پر یا کلب اور تھیٹر میں یا ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے نئے نئے انداز سے ہو اس کے منکر ہونے اور ممنوع ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس طرح ناحق قتل منکر ہے اور ممنوع ہے قتل خواہ چھری سے ہو یا تلوار سے یا بندوق سے ہو یا توپ سے یا ایٹم بم وغیرہ سے اس کے منکر ہونے اور ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ انداز مقامات اور ذرائع کے بدل جانے سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مسائل بدل گئے یا انسانیت کے تقاضے بدل گئے۔ انسان کی فطرت وہی ہے۔ معروف اور منکر کی نوعیت وہی ہے اس لئے بدلے ہوئے ذرائع، مقامات اور انداز کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ اسلام ان

مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود نہیں تھے دراصل ایک زبردست مغالطہ ہے۔

اگر کسی فطری قانون کی خلاف ورزی کی جائے تو ایسا کرنا فطرت سے جنگ کے مترادف ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ نقصان اور خلفشار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اہل مغرب نے جو فطری قوانین کی خلاف ورزیاں کی ہیں ان میں سے صرف ایک قانون کو لیجئے کہ اس کی وجہ سے مغربی معاشرے میں کس قدر فساد اور انتشار پھیل گیا ہے۔ انہوں نے اس فطری قانون کو نظر انداز کیا کہ مردوں اور عورتوں میں جنسی رقابت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ کوئی مرد یہ نہیں چاہتا کہ اس کی عورت کا دوسرے مرد سے تعلق قائم ہو۔ اسی طرح نہ کوئی عورت چاہتی ہے کہ اس کا مرد دوسری عورتوں سے تعلقات قائم کرے۔ اگر ایسا ہو تو اس سے رقابت پیدا ہوتی ہے جس سے کہ اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ مغرب میں عورتوں اور مردوں کا جتنا آزادانہ میل جول ہو رہا ہے۔ اتنی ہی جنسی رقابت پیدا ہو رہی ہے اور یہ رقابت جھنجھلاہٹ اور گھریلو جھگڑوں کا سبب بن رہی ہے اور بالآخر طلاق کی شرح بڑھ رہی ہے۔ اس طرح گھر جو کہ معاشرے کی اکائیاں ہوتی ہیں برباد ہو رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ آج سارے مغرب میں مرد اور عورتیں اسی صورت حال سے دو چار ہیں۔ اور بیزار ہیں مگر ان کے پاس اس آزادانہ میل جول کو روکنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے یہ سب کچھ اس لئے پیش آیا کہ مغرب کے لوگوں نے ایک فطری قانون کی خلاف ورزی کی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر فطرت کے بہت سے قوانین کی خلاف ورزی کی جائے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس کے برعکس اسلام عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول پہ پابندی لگاتا ہے تنہائی میں نامحرم عورت اور مرد کے ملنے جلنے کو حرام قرار دیتا ہے اور ہر وہ اقدام کرتا ہے جس سے انسان اپنی زندگی فطری قوانین کے مطابق گزار سکے خود مسلمانوں میں بھی فطری صلاحیتوں اور فطری قوانین کو نظر انداز کیا جا رہا ہے مثلاً بعض لوگ اپنا ذریعہ معاش خود پیدا نہیں کرتے اور توکل کے نام پر دوسروں کی آس میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو ان کو معاش کے حصول کی صلاحیت دی تھی اس کو ضائع کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے معاملات میں ایمانداری سے کام لیتے ہیں اور ان کے دل میں تو اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہتی ہے۔ لہٰذا نماز کیوں پڑھیں اس قسم کے لوگ اپنے فکر و عمل میں یقیناً غلطی پر ہوتے ہیں۔ متوازن رویہ یہ ہے کہ سب معاش کے

وقت معاش کا اہتمام کیا جائے اور نماز کے وقت نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح اپنے اپنے وقت پر معروف کی حدود میں تمام صلاحیتوں کا استعمال ہو اور تمام فطری تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ موجودہ دور کی یہ اشد ضرورت ہے کہ مسلمان اسلام کا جو کہ ایک فطری نظام حیات ہے علم بھی حاصل کریں۔ اور اس عملی نمونے کے مطابق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل کریں اور ریاستی سطح پر بھی اس فطری نظام حیات کو نافذ کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعد میں آپ کے اتباع میں خلفاء راشدین نے نافذ کیا تھا ایسا کر کے ہی ہم اس فرض منصبی کی ادائیگی کر سکتے ہیں جو اسی زمین پر خلیفہ کی حیثیت سے انسان پر عاید ہوتا ہے اور ایسا کر کے ہی دنیا اور آخرت میں سلامتی اور کامیابی کا حصول ممکن ہے۔

●

مندوبین کرام

کراچی

ڈاکٹر منظور احمد
مولینا عبدالرحمٰن سلفی
پروفیسر عطیہ بنت خلیل عرب
مولینا ارشادالحق تھانوی

لاہور

علامہ سید محمود احمد رضوی
جسٹس (ریٹائرڈ) سید جمیل حسین رضوی
پروفیسر عبدالقیوم
مولینا عبدالقادر آزاد
پروفیسر حافظ احمد یار
حافظ نذر احمد
پروفیسر ذوالفقار علی ملک
ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ
پروفیسر محمد اسلم
جناب الطاف حسن قریشی

راولپنڈی۔ اسلام آباد

ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا
ڈاکٹر سید علی رضا نقوی
ڈاکٹر محمد سعود
پروفیسر سعیدالدین ڈار
پروفیسر سید فیض الحسن فیضی
لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) عبدالغفور
مولانا محمد میاں صدیقی

پشاور

ڈاکٹر سعید اللہ خاں
ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن
پروفیسر مس جہانہ سڈل

کوئٹہ

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

حیدر آباد

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد حجن

سیالکوٹ

پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ

بہاولپور

ڈاکٹر ایس۔ ایچ معصومی

جہلم

پروفیسر شیخ غازی احمد

قلات

ملک محمد رمضان

دیگر مندوبین کرام

کراچی

مولینا ظفر احمد انصاری

مولینا محمد اطہر نعیمی

مولینا عبدالعزیز عرفی

علامہ عباس حیدر عابدی

حاجی فریدالدین احمد الوجیہہ

پیر صاحب میراں محی الدین شاہ

ڈاکٹر امتیاز احمد

فقیر محمد اسماعیل نقشبندی

لاہور

مولینا محمد مالک کاندھلوی

مولینا عبدالقیوم ہزاروی

مولینا عبدالقادر روپڑی

علامہ مرزا یوسف حسین

مولینا شبیہ الحسنین محمدی

صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن قادری

مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی

پیر سید فیض احمد سہروردی

صاحبزادہ محمد سلیم

میاں فضل الحق

مخدوم زادہ سید نور الحسن شاہ گیلانی

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

ڈاکٹر منیرالدین چغتائی

ڈاکٹر امان اللہ خان

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

راولپنڈی/اسلام آباد

پیر صاحب دیول شریف

جناب جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان

ڈاکٹر ضیاءالدین

ڈاکٹر میر ولی خان

ڈاکٹر محمد ریاض

جناب زاہد ملک

جناب محمد سمیع اللہ

جناب پروفیسر کرم حیدری

جناب پروفیسر مظہرالدین صدیقی

بریگیڈیر (ریٹائرڈ) گلزار احمد

ڈاکٹر احمد حسن

ڈاکٹر عبدالغفور مسلم

پروفیسر رحیم بخش شاہین

جناب مختار احمد بھٹی

جناب ایم اے۔ صدیقی

جناب افتخار احمد بھٹہ

پروفیسر عبدالرحمان عبد

مولوی محمد سعید

جناب جی۔ ایس گھانگھرو

جناب اسداللہ شیخ

جناب ہدایت حسین

جناب خلیل الرحمٰن

جناب محمد ہاشم عباسی

ڈاکٹر ایم۔ ایس کے شبلی

ڈاکٹر اعجاز گیلانی

صاحبزادہ پیر محمد فیض علی فیضی

مولینا محمد عبداللہ

مولینا عبدالعزیز حنیف

مولینا قاضی اسرارالحق

علامہ سید جابر حسین

قاری سعید الرحمٰن

قاضی احسان الحق

مولینا حنیف الدین شاہ

مولینا صدرالدین

قاری حبیب الرحمٰن

مولانا عبدالخالق مجددی

ڈاکٹر مسز صغرا بانو شگفتہ

مسز کشور زمان

مس افروز بیگم

پروفیسر مسز شفیق الرحمٰن

مسز این۔ ایچ پیرزادہ

پشاور

پیر خواجہ محمد عبداللہ جان نقشبندی

پیر سید امیر حسین شاہ صاحب بکہ توت

مولینا سید نجم الحسن کراروی

مولینا یوسف قریشی

مولینا اشرف علی قریشی

مولینا سعیدالدین شیر کوٹی

مولینا حافظ محمد عبدالقدوس

ونگ کمانڈر فدا محمد خان

پروفیسر ہدایت اللہ خان

پروفیسر میاں تقویم الحق

ڈاکٹر ایس۔ ایم حیدر

کوئٹہ

مولینا عبداللہ خلجی

مولینا نیاز محمد درانی

مولینا محمد عمر

حیدرآباد

علامہ غلام مصطفٰی قاسمی

مولینا وصی مظہر ندوی

سید کاظم علی شاہ

ملتان

مخدوم سجاد حسین قریشی

فیصل آباد

مفتی سیاح الدین کاکا خیل

مولینا غلام رسول رضوی

حکیم عبدالرحیم اشرف

پروفیسر غلام احمد حریری

جھنگ

مولینا منظور احمد چنیوٹی

گوجرانوالہ

صاحبزادہ فیض الحسن

علامہ مفتی جعفر حسین

ساہیوال

مولینا معین الدین لکھوی

بہاولپور

علامہ رحمت اللہ ارشد

سرگودھا

علامہ نصیر حسین

شیخوپورہ

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری

اٹک

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

لاڑکانہ

پروفیسر اسداللہ بھٹو۔

جیکب آباد

پیر دامن علی شاہ

بدین

مولوی خیر محمد نظامانی

ایبٹ آباد (ضلع)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی

ڈیرہ اسماعیل خاں

پیر خالد صاحب زکوڑی شریف

شکارپور

پیر محمد شاہ امروٹی

سوات

پیر سید امیر حسین شاہ

دیر

صاحبزادہ قاضی سید امیر خاں

کوہاٹ

پروفیسر تاجدار علی شاہ

علامہ جواد حسین

Conclusion.

Thus in the light of what has been stated above, one can predict with confidence that at present the world, specially the Muslim world, which is facing the multifarious problems and it is one the verge of being annihilated, can only be saved through the striet adherence to the principles of Islam and spreading the true message of the Holy Prophet (S.A.S.) in the world as their ancestors did. Allama Iqbal has rightly paid tributes to those wild and barbarian and uncivilized people of Arabia in the following words :

جو نہ تھے خود راہ پر وہ اوروں کے ھادی بن گئے

کیا وہ نظر تھی کہ مردوں کو مسیحا بنا دیا

(Those very misled people became the gudies of other was nothing but the sight i.e. the company of the Prophet Muhammad (S.A.S.), which turned the dead to be the cause of survival of other)

Thus modern age is in need of Divine guidance, which may lead the Muslim as well as non-muslim on the path of righteousness through which the mankind may pass their time in peace, tranquillity and prosperity. This Divine guidance is available only in the message of Holy Prophet Hazrat Muhammad (S.A.S.).

FOOT NOTES

1. Extract taken from his speecch delivered in Arabic on October 11, 1963 in the Unversity of London, English translation published by Academy of Islamic Research Publications, Lucknow with the title 'The Message of Humanity to the East and the West, P. 8.
2. Ibid, P. 9.
3. The Preaching o Islam, Punjab, Lahore, 1965, P. 1.
4. Ibid, P. 3.
5. Ibid PP. 29-30.
6. Ibid P. 413.
7. Ibid P. 414.
8. Ibid P. 414-415.

* * * *

The History, even upto the end of the thirteenth century Hijrah will reveal that the Muslims were the sole possessers of honour, dignity, power and grandeuer, but when one turns his eyes away from the pages of the history and looks at the Muslims of today, one sees the picture of this very superior nation as claimed by Qur'an, sunk in misery and disgrce, possessing no real strength or power, honour or dignity, brotherhood and mutual love ; devoid of virtues and moral character. One cannot find any sign in them of those noble deeds which at one time used to be the symbol of each and every Muslim. Unfortunately the matter does not end here. The muslim youth of the new age, has been almost affected and influenced by the so called modern trends and the western way of life to such an extent that they take pleasure in criticising and laughing at the very ideals of Islam and look down the sacred code of Shariat as out-dated and impracticable. This state of affairs is actually the result of ignoring the Muslims in general the important duty of دعوة i.e. Preaching the message of Islam among the non-believers and leaving the work of امر بالمعروف ونهی عن المنکر (i.e. enjoining the good and forbiding the evil). Thus not only the values of Islamic way of life went out the minds of Muslims, but they also closed the doors of Islam upon the non-muslims. There is a tradition of Holy Prophet (S.A.S.) narrated by Hazrat Abu Hurairah (Radi Allah anho), in which the Prophet (S.A.S) has warned : " when my Ummat begin to attach more importance to the world and to regard it as a source of glory, the awe and importance of Islam will vanish from their hearts. When they give up the task of enjoining good and forbidding evil, they will be deprived of the blessing of وحی (Revelation), and when they begin to indulge in miligning each other, they will fall in the eye of Allah."

trades and professions, who have laboured for the spread of Islam. He writes : " In a list of Indian Muslim missionaries published in the journal of a religious and Philanthropic Society of Lahore, we find the names of school masters, Government clerks in the canal and Opium Departments, traders (including a dealer in Camel-carts), an editor of a Newspaper, a book-binder and a workman in printing establishment. These men devote the hours of leisure left them after the completion of the day's labour, to the preaching of their religion in the streets and bazars of Indian cities, seeking to win converts both from among Christians and Hindus, whose religious beliefs they controverts and attack."[10]

According to the teachings of Islam and from the practical life of Holy Prophet (S.A.S.) and his companions, it is expected that every Muslim is a missionary of Islam. History proves so long as the Muslims performed this duty of preaching in true sense, they themselves were the true followers of Islam and served as a model of life for the non-muslims and attracted them to accept Islam. In return, with the help of Allah, the Muslims moved from success to success and reached the highest pinnacle of glory in every field, political, social and moral and they also advanced in the field of science and learnings. In the eyes of the world they actually proved to be the most supperior nation, as envisaged by Holy Qur'an. This is the historical truth which cannot be erased. But alas ! this fact of history in the present times has only become a myth, an ancient tale to narrate which appears to be meaningless and ridiculous. The present daily life of Muslims themselves has obviously become a black spot on the brilliant performance and achievements of their ancestors, the early followers of Islam.

Holy Prophet (S.A.S.) inspired among his followers such a zeal that they carried out with them the message of Islam to the people of every land into which they penetrated.

According to Arnold :

" the spread of this faith over so vast a portion of the globe is due to various causes, social, political and religious : but among these one of the most powerful factors at work in the production of this stupendous result, has been the unlimited labours of Muslim missionaries, who, with the Prophet himself as their great example, have spent themselves for the conversion of unbelievers."[7]

In the conclusion of his book, he compares missionary work of the Christians with the missionary duties performed by the Muslims and states : " to the modern Christian world, missionary work implies missionary societies, paid agents, subscriptions, reports and journals .. its missionaries have been in most cases, regularly ordained priests or monks .. But in Islam there is absence of priesthood, or any eccelesiastical organization .. There are no missionary societies, no specially trained agents."[8] For this absence he gives the justification that the Muslim himself is conscious of the responsibility lying on him to learn the doctrines of Islam, to practise and preach among the unbelievers.[9]

Arnold, has proved with examples that side by side with the enormous groups of the Muslim religious teachers who had fully devoted all their time and energies to the missionary work, the annals of the propagation of the message of the Prophet of Islam (S.A.S.) contains the record of men and women of all ranks of society, from the sovereign to the peasant and of all

Thus it is for this objective of life of Muslim, Allah declared in Holy Qur'an for the Muslim Umat to be

كنتم خير امة .... الخ (ال عمران : ١١٠)

Yedare the best community that hath been raised up for mankind. Ye enjoin right conduct and forbid indecency ; and ye believe in Allah (3 : 110).

Even Allah in the Quran has ordained that there must be people, who should be fully and whole heartedly devoted to perform the duty of enjoining good and forbiding wrong.

ولتكن منكم ...... الخ (ال عمران : ١٠٣)

And there may spring from you a nation who invite to goodness, and enjoin right conduct and forbid indecency. Such are they who are successful.

Missionary spirit and activities.

T.W. Arnold in his book : " Preaching of Islam " has written much about the Missionary Spirit among the Muslims and their missionary activities through which Islam was spread through the world. Among the religions, he gives importance to Islam as the greatest missionary religion and he states that a missionary religion should be taken to mean " one in which the spreading of the truth and the conversion of unbelievers are raised to the rank of a sacred duty by the founder or his immediate successors.. It is the spirit of truth in the hearts of believers which cannot rest, unless it manifests itself in thought, word and deed, which is not satisfied till it has carried its message to every human soul, till what it believes to be truth as accepted as the truth by all members of the human family."[6]

propagation of Islam in the world, even at the cost of their own lives. Allah accepted these efforts and sacrifices of early Muslims and gave them victory over the mightest empires of Rome and Persia inspite of the fact that they were comparatively too less in numbers and armaments. Here I am quoting following qur'anic verses, which are sufficient incentive for every true Muslim to remain everready for spending all of their energies and suffer all sorts of hardships to fulfil the task of the propagation of Islam individually and collectively in the distant parts of the world.

قل هذه سبیلی .... الخ - (یوسف : ۱۰۸)

Say : this is my way : I call (the people) to Allah with sure knowledge, I and whosoever followeth me—Glory be to Allah !— and I am not of the idolaters. (XII : 108)

یا ایہاالذین اٰمنوا ....الخ

O you who believe ! shall I point out to you a trade that will shield you from a grievous doom ? Believe in Allah and in His messenger and perform Jehad in His Way with your wealth and lives. This is best for you, if you understand.

قل ان کان اٰباؤکم .... الخ (التوبہ : ۲۴)

Say : if your fathers, and your sons and your brothers and your wives, and your tribe, and the wealth ye have acquired, and merchandise for which ye fear that there will be no sale, and dwellings ye desire are dearer to you than Allah and His messenger and striving in His Way : then wait till Allah bringeth His Command to pass. Allah guideth not wrong doing folk. (IX : 24)

The letters of invitation to embrace Islam written by the Holy Prophet (S.A.S.) to the Emperor Heraculius, the King of Persia, the Governor of Yeman, the Governor of Egypt and the King of Abyssinia are the evidence of the claim that the message of Islam was not for Arabia only, but the whole world was to be invited to accept only one religion i.e. Islam.

T. W. Arnold in his book " Preaching of Islam " has given following account of the sending out of missionaries to preach Islam to all nations : " The Apostle of God said to his companions, ' come to me all of you early in the morning '. After the morning prayer, he spent some time in praising and supplicating God ; then he turned to them and sent forth some in one direction and others in another, and said : ' Be faithful to God in your dealings with His servants (i.e. with men), for whosoever is entrusted and is not faithful in his service of them, to him God shuts the gate of paradise : go forth and be not like the messengers of Jesus, the son of Mary, for they went only to those who lived near and neglected those that dwelt in far off countries.' Then each of these messengers scattered and when came back, spoke the language of the people to whom he was sent. When this was told to the Prophet (S.A.S.) he said, "This is the greatet of the duties that they owe to God with respect to this with Servant ' ".[5]

Missionary duties of Muslims.

Thus from the side of Allah in Holy Qur'an and the Prophet Hazrat Muhammad (S.A.S.) through his practice and teachings made it compulsory for the believers to come forth in the path of Allah, leave their homes, kith and kin and other engagements how much those be dearer to them for the

(And we have not sent thee (O, Muhammad) otherwise than to mankind at large, as a bringer of good tidings and a warner ; but most of mankind know not.

Scope of the Message.

The teachings in Holy Qur'an, the last revealed book of God and the following of Hazrat Muhammad (S.A.S.) also been made binding for the whole mankind as stated in the following Qura'nic verscs :

ان هو . . . . حين - (ص : ٨٧ ، ٨٨).

" Truly it (i.e. the Qur'an) is no other than an admonition to all created beings ; and after a time shall ye surely its message. " (XXXIX : 87—86).

ان هو . . . . على الكفرين - (يس : ٦٩، ٧٠)

" This (Book) is not other than an admonition and a clear Qur'an, into warn those whoever liveth; and that against the unbelievers the word may be fulfilled (i.e. Sentence may be justly given " (XXXVI : 69—70).

تبرك الذى . . . . نذيرا (فرقان : ١)

" Blessed is He Who hath revealed upon His servant the Furqan (Criterion of right and wrong) ; so that he may be a warner unto all created beings. (XXV : 1)

هوالذى ارسل . . . . المشركون - (الصف : ٩)

"He is Who hath sent His Apostle with the guidance and the religion of Truth, that He may make it victorious over every other religion though the Polytheists are averse to it." (IXI : 9).

No remedy of problems in the scientific achievements.

The present age of science and technology has provided means of comforts and luxuries for man, but has not solved the real problem of mankind, which is spiritual happiness and peace of mind. There is advancement of matter, but not manhood. Whatever the progress and advancement is being made in the modern age, it is being done at the cost of man and his morals, at the cost of his soul and his heart. On the contrary the scientific inventions have assisted in the spread of moral degradation of man expeditiously.

Achievements of moral values of life.

This does not mean that the efforts in the field of scientific achievements should be abandoned. But side by side the struggle should be made for the upliftment of human soul and raising the moral values of life, which can only be achieved through Faith in the Oneness of God the Creator of the Universe, to Whom man has to return for giving account of his deeds, whether done in conformity with the teachings of the Prophets, who were sent down by God with Divine guidance at different times to different people. But this series of the Prophets ended on Hazrat Muhammad (S.A.S.), who was meant for the whole mankind for all the times to come, as has been envisaged in the following Qur'anic verses :

وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین ۔ (الانبیا ۔ ۱۰۷)

(O, Muhammad ! We sent thee not save as mercy for the whole world) (XXII : 107).

وما ارسلنٰک...... یعلمون (سبا-۲۸)

NEED OF THE PRACTICE AND PROPAGATION OF THE MESSAGE OF HOLY PROPHET (S.A.S.) IN THE MODERN AGE

Prof. Dr. Mohammad Hajan Shaikh,
(Principal, Government Sachal, Arts College, Hyderabad.)

Importance of the Message.

The message of the Prophet Hazrat Muhammad (S.A.S.) is the last heavenly message revealed by Allah and also perfected by Him, as declared in the last Qur'anic verse :

اليوم اكملت................الخ

In the words of famous Indian scholar Mawlana Abul Hasan Ali Nadvi : " It is a message of everlasting value to mankind, the message which bears the finesse of finality, which is in tune with the spirit of the age, which seeks to carry human civilization forward and not backward as some religions tend to do, and which is free from extremism and rigidity, which is endowed with a wonderful capacity to create new moulds consistent with the spirit of its own teachings as well as the demands of changing times.(1)

According to the same scholar all the Prophets of God (peace be on them), and in the end the last of the Prophet, Hazrat Muhammad (S.A.S.) concerned themselve with " man " and his moral refinement and opened up the treasures that lay within him, receiving therefrom light and life and knowledge, love and confidence, strength of purpose and contentment and happiness.[2]

REFERENCES

1. Ibn Durayd, *Kitāb Jamharat al-Lugha*, Hyderabad, 1344-1351 A.H., vol. II, p. 340.
2. Al-Fayūmi, *al-Miṣbāḥ al-Munir fi Gharib ash-Sharḥ al-Kabir,li,r-Rafi'i*, ed. Mustafa as-Saqa, Cairo, 1369/1950, vol. ii, p. 312.
3. Jawhari' *Taj al-Lugha*, Cairo, 1292 AH., vol. iii, p. 383.
4. Abū ' Ubayd, *Kitāb al-Amwāl*, ed. Muḥammed Ḥāmid a-Fiqqī, Cairo,1353/1934 p. 532f.
5. Ibn Ḥanbal, *Munsnad*, ed. Ahmad Shākir, Cairo, 1949 A.C., Vol. viii, p. 169.
6. Suyūti, *Tārīkh al-Khulafā*, ed. M.M. 'Abd al-Hamd, Cairo, 1305 A.H., p. 154.
7. Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muḥabbar* ed. Dr. Eliza, Hyderabad, 13611942, p. 309.
8. Bukhārī, *Al-Jāmi' al-Ṣaḥiḥ* ed. M. Ludolf, Leiden, Brill, 1862—1908 A.D, Vol. iv p. 318 (*Kitāb ed-Diyāt*).
9. *Qurān* 18 : 55 ; 33 : 38 ; 33 : 62 ; 35 : 43 ; 48 : 23.
10. Schacht, *An Introduction to Islamic Law*, Oxford, 1964,, p. 17.
11. Mcdonald, Duncan B., *Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory*, 2nd ed., Lahore, 1960 A.D., p. 68
12. Watt, W.M., " Belief in a ' High God ' in Pre-Islamic Mecca,' *Journal of Semetic Studies*, XVI, No. 1 (Manchester University Press : Spring, 1971, pp. 35—40.
13. *Qur'ān*, 33 : 62 ; 35 : 43 ; 48 : 23.
14. Bayḍāwī, *Anwār at-Tanzīl wa Asrar at-Ta'wil*, Cairo, n.d., vol. iv, p. 184.
15. *Qur'ān*, 35 : 43.
16. Watt, W.M., *Muhammad, Prophet and Statesman*, Oxford 1961, p. 59.
17. *Ibid, Muslim Intellectual, A Study of Al-Ghazali*, Edinburgh, 1963, p. 14.
18 *Qur'ān*, 3 : 32, 132 ; 4 59 ; [illegible] :20 ; 46 ; 24 :56 ; 47 : 33.
19. Ibn Sad, *Kitāb at-Ṭabaqāt al-Kabīr*, ed. Sachan *et al*-Leiden, 1905—1940, vol., ii, p. 95.
20. *Qur'ān*, 4 : 64.
21. *Ibid*, 4 : 80.
22 Ibn Sa'd, *op-cit*, vol. iv, i, p. 114.
23. Dārimī, *Sunan*, ed. ' Abd Allāh Hāshim Yamānī, Medina, 1386/1966, vol. i, p. 117.
24. Guillaume *The Traditions of Islam*, Oxford, 1924, p. 11.
25 Safāwī, *Fatḥ al-Mughīth*, Lucknow, 1282 A.H., p. 12.
26. Shāfi'i, *Kitāb al-Umm* Cairo, 1321—1325 A.H., vol. vii, p. 306.
27. 'Abd al-Qādir, *Naẓrat 'Āmma fi Tārikh al-Fiqh al-Islami*, 2nd ed.' Cairo, 1959, p. 116.

The scope of Sunna had been widening ever since the advent of Islam. In the begining, it was confined to Muhammad's sunna which included not only the new laws given by him but also the prevailing customs of his period. After his death, it meant the practices of his Companions[24] and the Successors[25] as well. Thereafter, the *Ijtihāds* of the Rightly guided Caliphs came to be regarded as *Sunna* and formed part of religious practices of the Muslims at large. This we call ' Islamic Sunna ' or ' Sunna of the Community !

The Islamic Sunna is nothing but the established religious practices of the Muslim Community. It has been expressed by the phrases جرت به السنة مضت به السنة and other similar terms.[26]

Because of the cautious attitude of the Pious Caliphs towards the preservation of the Prophet's sunna, the latter Muslims took for granted that ' the practices of the Companions must have necessarily conformed to the sunna of the Prophet. It was probably because of this reason that in later times it was deemed enough to ascribe a certain practice to the Pious Companions so as to bring it at par with the ' Sunna of the Prophet.' In this way, even personal opinions (based on the Qur'an and the Prophet's sunna) in due course because the *Ijmā* '(Consensus) of the Community and assumed the status of ' Islamic Sunna.'27

Sunna, occurring in the phrase اهل السنة والجماعة (the people of the Sunna and of the Community) though used against those of اهل الشيعه it actually refers to the followers of the Islamic Sunna referred to above.

convinced that the behaviour of the Prophet provided a sunna better than that of the Jahiliyya.

The Prophet himself insisted that 'his sunna' be followed, and warned that 'he who tires of 'my sunna' does not belong to me'.[17] This was quite in agreement with the Qur'anic injunctions : 'who so obeyeth the Messenger obeyeht Allah',[20] and 'We sent not any Apostle but to be obeyed.'[21] Being indispensible for the paractical application of the Qur'anic doctrines, the 'sunna of the Prophet' must have necessarily been given a great importance during his lifetime. Consequently, the overall conduct of the Prophet—later named as 'Sunna of the Prophet'—came to be regarded as ■ model to be followed by the Muslim Community.

This concept became so popular among the Muslims that in later times the use of 'sunna' alone indicated the 'sunna of the Prophet.'[22]

As regards the scope of the 'Sunna of the Prophet' it appears to be wider than that of 'sunna of Allah'. While the former covered both revealed and traditional customary laws of Muslims, the latter deals only with revealed ones hence limited in scope. Furthermore, the sunna of Muhammad (P.B. U.H). deals with every detail of the individual's life, both secular and religious, revealed and unrevealed alike. It would not be wrong, therefore, to hold that the Qur'ānic laws have been incorporated in the 'Sunna of Muhammad (P.B.U. H)' and the former have to be read alongwith the *Hadith*—the record of the Prophet Muḥammad's sunna. Probably, this very concept led to the belief that the Qur'ān is more in need of the sunna than the *Sunna* is of the Qur'ān.[23]

warning. The purpose of this threat was to show that the 'sunna of Allah' had the force of law, hence binding. Thus the Arabs yielded to this new form of sunna.

Very soon, the 'sunna of the Prophet' was introduced to the bedouin Arabs. The same source which had provided the concept of 'Sunna of Allah' to the Arabian society, demanded absolute obedience to Allah's Prophet. This meant a switch over from 'Sunna of Allah' to the 'Sunna of the Prophet.' In addition to the Qur'anic injunctions 'to follow the Prophet of Allah',[15] two more factors became responsible to replace the 'sunna of the tribe' and 'the sunna of Allah' by the 'sunna of the Prophet.' Firstly, the Arabs believed that the 'best man to rule a tribe or clan was the man who was outstanding in wisdom prudence and judgment.[16] This man, after Islam, was the Prophet Muhammad (P.B.U.H.). Secondly, they thought that the Islamic Community was divinely founded and was living in accordance with divinely given mores.'[17]

With a declaration in the Qur'ān " Verily, in the Massenger of Allah, ye have a good example " (*Qur'ān* , xxxiii : 21), the ideality of the *Sunna* which so far had been in the ancient custom, began to be sought in the Conduct of the Prophet. Partly because of his own exemplary conduct and partly due to Qur'ānic injunctions to follow the Prophet,[18] his actions and conduct replaced the sunna of their ancestors, of their tribe and that of Allah—the last mentioned having been incorporated in the 'sunna of Muhammad' (P.B. U.H). Since, by nature the Arabs were *wont* to following the sunna, they found no difficulty in shifting to a new one—the Sunna of Muhammad (P. B. U. H). The nescent Muslim Community was soon

have been reproached for this reason.[9] It has been rightly remarked therefore that 'whatever the forefāthers had done deserved to be imitated... was the golden rule of the Arabs.'[10] To these customary practices of the bedouins we use the term the sunna of the tribe'. But since Arabian tribes had no Constitution, tribal laws, though generally acceptable, were not strictly enforceable. "It was protected by no sanction and enforced by no anthority" says Mcdonald.[11]

With the Coming of Islam, another type of sunna—the sunna of Allah—was introduced into Arabian Society. 'Sunna' as such was not a new concept to Arabs; they were already following the 'sunna of their forefāthers' and the 'sunna of the tribe.' The Concept of Allah too was not unknown, though in the form of plurality of gods.[12] No doubt, these terms existed in the society all along, yet they were not inter-related so far. The Qur'ān now used them as a compound term and introduced thereby a new concept—the sunna of Allah.

Long before the Coming of the Prophet Muhammad (P. B. H), the Arabs, in their judicial system, believed in the supermacy of Allah. The judgments of the *Kāhins*—the soothsayers or judges—were enforced on the basis of a belief that they came from a supernatural power. So, when the Qur'ān spoke of 'sunna of Allah'[13], the Arabs found no difficulty in accepting that the law of Allah was a reality. At the opportune time when Arabs' mind was prepared to accept the supremacy of God, the Qur'ān claimed that the 'sunna of Allah' was eternal and binding, hence to be followed. At the same time, it reminded there of the fate of earlier people who had shown arrogance and disobeyed the fixed laws.[13] The expression سنۃ الاولین was used to convey this

In certain contexts, *sunna* referred to the social and religious rites of the community. Similarly, the moral and legal usages of pre-Islamic Arabia were also expressed by the term '*sunna*'. The institutions of marriage, divorce and other family relations were part of the Customs followed by the Arabs. The details of many such legal rules are found in *Kitāb al-Muḥabbar* of Ibn Ḥabīb who calls these institutions '*sunan*', the plural of '*suna*,' and mentions them under the title :

السنن التى كانت الجاهلية سنتها — فبقى الاسلام بعضها وأسقط بعضها

As the author, under this heading, mentions only the legal matters, it appears that '*sunna*', was used to denote the legal customs of the pagan society.

The term '*sunna*' also denoted the general practice of the Community. Bukhārī, for instance, reports : "Among the three Categories of people who are cursed by Allāh are those who seek in Islam the '*sunna* of the Jāhilīyya'.

مبتغ فى الاسلام سنة الجاهلية

The word '*sunna*' used here refers to the cumulative practices of the pagan society.

Having discussed various shades of its meaning, let us now consider the Contents and scope of *sunna*. Ever since pre-Islamic era, the *sunna* underwent gradual changes and its scope widened with the passage of time.

In the beginning, the Arabs adhered strictly to the customary practices of their tribes. They clung to the customs of their forefathers and felt great pride in so doing. We find a number of references in the Qur'ān where the Meccans

MEANING AND SCOPE OF SUNNA
A CONCEPTUAL STUDY

Dr. Imtiaz Ahmed.

(Associate Professor, Deptt. of Islamic Learing, Universtiy of Karachi)

In itself the word ' sunna ' is colourless, meaning merely ' a practice'—good or bad[1], approved or disapproved[2]. Thus using the word ' sunna ' in this sense, the pre-Islamic poet Khālid b. ' Utba . says :

فلا تجز عن من سنه" انت سرتها　　　فاول راض سنه" من يسيرها

meaning, " Do not be hesitant about the sunna you have introduced, for the first person to be satisfied with the sunna is the one who practised it for the first time."

We find occasional mention of ' *sunnat hasana* ' or ' *sunnat Khayr* ' (good practice) and ' *sunnat sayyi'a'* or ' *sunnat sharr* ' (bad practice) where the word *sunna* has been used in the sense of practice in general. Thus the expressions ' *sunnat ' Umar* '[4], ' *sunnat ibn Futanin* '[5] and ' *sunnat Abi Bakr* '[6] refer to the practice—religious, social or political—of the persons named.

REFERENCES.

وما أرسلناك الا رحمةً للعلمين

1. 21 ; 107

2. The Prophet says :

ان أكرمكم عند الله أتقكم

من لم يرحم صغيرنا و لم يو قر كبيرنا فليس منا انصراخاك ظالما او مظلوماً ـ

ارحموا من فى الارض يرحمكم من فى السماء

3. Chapter on *Hijjat al-wida'* in any book of the *ahadith.* Also *Ta'rikh-i-Tabari* and *Sirat Ibn Hisham.*

كان خلقه القرآن

4.

5. 60 : 6

لقد كان لكم فى رسول‌الله أسوة حسنةً

6.

لايؤمن أحدكم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه

7. 5 : 59 Also

الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولاهم يحزنون

8.

المسلم من‌سلم المسلمون من لسانه ويده

9. *Qur'an*, 2 : 124. Also

ومن لم يحكم بما انزل‌الله فاولئك هم الظالمون

10. Like: Introduction of Islamic Law in Pakistan; and the successful Islamic revolution in Iran.

11. *Qur'an*, [illegible] : 106

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

12.

خيرالناس من ينفع الناس

teachings of the Prophet of Islam ; and a fresh start is being made in this direction. Some important changes are taking place in and around the muslim world.[10]

Sayyidina Muhammad was a man who lived for others—and we have no alternative but to do the same—he brought mankind out of the darkness of ignorance to the light of knowledge, out of the abode of selfishness to the paradise of selflessness.

The muslims these days face considerable challenges from all directions ; and unless we close our ranks and hold-fast to the rope of Allah—the holy *Qur'ān* and *Sunnah* of the holy Prophet—[11] we would be confronted with still more challenges. Let us, therefore, resolve to meet these challenges with utmost integrity and unity. We must foil the efforts of the anti-muslim forces positively by closing our ranks—and this I do not say just because I am prejudicial to non-muslims, but because I consider Islam such a way of life which has the capacity of relieving humanity of its complex problems not only in this world but in the Hereafter also. Only then would we be able to suggest more effectively remedies for the trouble chaos, uncertainty and confusion that the people of the world find themselves in. Only then would we be able to make our voice heard in the community of nations : and only then would we, according to the saying of the holy Prophet, be useful and helpful to mankind.[12]

The Prophet of Islam laid great emphasis on righteous conduct in our daily life. For instance, there is his famous saying : 'None of you can become a true believer unless he likes for his brother—the other muslim—what he likes for himself ?[6] The meaning of this saying is quite clear—as none of us would like to be insulted, abused, exploited, and wronged, why then do we try to disgrace, maltreat, and exploit others. Look at the lofty meaning of this saying of the holy Prophet which, if followed in its entirety, could make this material world the happiest place to live in, and no question of dissatisfaction and fear would arise for mankind.[7]

In another saying, the holy Prophet says : 'A true muslim is he from the wrongful effects of whose hands and tongue other muslims are safe and secure.'8 In this *hadith* the prophet of Islam commands us to be as harmless as we, as human beings, can afford to be. Keeping in view this saying of the holy Prophet, let us think for a while and see how harmless we human being are in this so-called 'advance and civilized age. Do we not build ourselves at the expense of others ? Do we not always prefer our personal interests to those of national interests ? If so, it is because we are ignoring the commands of the holy Prophet, and thus creating for ourselves difficulties for which the modern material world cannot suggest effective remedies.[9]

It is known to all of us that up till now we have been offering mere lip-service to the teachings of the Prophet of Islam ; and have made no collective efforts to put these teachings into practice. But I am happy to note that there is emerging—and has emerged—, gradually, a general realization towards the

O people ! listen and obey, though a mangled Abyssinian slave is appointed your Amir, provided he executes the book of Allah amongst you.

O people ! No prophet would be raised after me.

Verily I have left amongst you that which will never lead you astray—the Book of Allah and my Sunnah, which if you hold fast you shall never go astray. And beware of transgressing the limits of religion, for it was the transgression of the proper bounds of religion that brought destruction to many nations before you.'[3]

Let me now enumerate a few more important aspects of the Prophet's character and teachings which, if seriously followed could solve the current complex problems that the multi-lingual and multi-racial community of the muslim as well as non-muslim world is facing to-day.

We must follow the holy Prophet in all aspects of our daily life. Following the holy Prophet and his sunnah means following the dictates of the holy *Qur'ān*. This has best been described by Ḥaḍrat ʻ A'ishah in her famous saying : 'The prophet's character is the embodiment of the holy *Qur'ān*.[4] In a verse of the holy *Qur'ān*, Allah says : ʻ There is certainly for you in the Prophet's life good examples to be followed.'[5] But unfortunately, teachings of the holy Prophet have been cast aside and refuge is sought in secular ideologies which have got nothing to offer to a civilized world except exploitation and destruction.

Godfearing. There is no superiority for an Arab over a non-Arab and for a non-Arab over an Arab, nor for the white over the black nor for the black over the white except in consciousness.

O people ! verily your blood, your property and your honour are sacred and inviolable, as the sacred inviolability of this day of yours this month of yours and this very town of yours. Verily you will soon meet your Lord and you will be held answerable for your actions.

O people ! You have got certain rights over your women and your women have certain rights over you.

Behold ! It is not permissible for a woman to give anything from the wealth of her husband to anyone but with his consent.

Treat they women kindly, since they are your helpers Fear Allah concerning them, for you have taken them on the security of Allah and have made their persons lawful unto you by words of Allah.

All debts must be repaid, all borrowed property must be returned gifts should be reciprocated and a surety must make good the loss to the asured.

Beware ! No one committing a crime is responsible for it but himself. Neither the child is responsible for the crime of his father nor the father is responsible for the crime of his child.

O people ! Every muslim is the brother of other muslim, and all the muslims form one brotherhood. And see that you feed your slaves with such food as you eat yourselves, and clothe them with the clothes that you yourselves wear.

WHAT MUHSIN-I-INSANIYYAT DID FOR HUMANITY ?

Dr. Said Ullah Qazi

(Associate Professor, Deptt. of Islamiat, Peshawar University)

I deem it a great honour and privilege to convey to humanity in general and believers in particular a few important aspects of Sayyidina Muhammad's (P. b. u. h) teachings, a prophet who is a blessing for the entire universe. As Allah says in the holy *Qur'ān* : ' And We have not sent thee but a blessing to the nations.'[1]

Sayyidina Muhammad was a kind of man whose contribution to the cause of humanity is that he broke completely the barriers of caste, colour, tribe, and geographical boundaries ; and introduced the sublime concept of universal brotherhood of Muslims based on love for the youngsters, respect for the elders, sympathy with the wronged, kindness to all living beings, and on the observance in our daily life of the divine code of conduct revealed to him.[2] His last famous sermon on the mount of Arafat bears strong testimony to it. He said : ' O you people ! Allah says : ' O people! We created you from one male and one female and made you into tribes and nations, so as to be known to one another. Verily in the sight of Allah, the most honoured amongst you is the one who is most

" The spirit was liberated from prejudice, man's will was set free from the ties which had kept it bound to the will of other men or other so-called hidden powers. Priests, false guardians of mysteries, workers of salvation, all those who pretended to be mediators between God and man and consequently believed they had authority over other people's will fell from their pedestals.

"Man became the servant of God alone and towards the other men he had only the obligation of one free man towards other free men. While previously men had suffered from the injustices of social differences, Islam proclaimed equality among human beings. Each Muslim was distinguished from other Muslim by reason of birth or any other factor not connected with his personality, but only by fear of God, his good deeds, his moral and intellectual qualities."

KIND AND BENOVOLENT

Concluding she emphasizes the most human aspect of the Prophet's character-his kindliness and unprecedented benevolence. She says :

" Muhammad as a preacher of the religion of God was gentle and merciful even towards his personal enemies. In him were blended justice and mercy, two of the noblest qualities which the human mind can conceive. It is not difficult to support this with many examples that are to be found in his biographies. One of his biographers says, that he was accustomed to give his order to his soldiers, " Spare the aged, the women and the children ; refrain from demolishing the homes of those who do not resist you, do not destroy their means of sustenance ; do not destroy fruit trees and do not touch palm trees."

---

in raids on Syria and *'Iraq* with no lasting consequences. These qualities fall into three groups.

" First there is Muhammad's gift as a seer..........

" Secondly, there is Muhammad's wisdom as a state-man...........

" Thirdly, there is his skill and tack as an administrator and his Wisdom in the choice of men to whom to delegate administrative details........"

In the end he concludes : " The more one reflects on the history of Muhammad and of early Islam, the more one is amazed at the vastness of his achievement. Circumstances presented him with an opportunity such as few men have had, but the man was fully matched with the hour. Had it not been for gifts as seer, statemen, and administrator and, behind these, his trust in God and firm belief that God had sent him, a notable chapter in the history of mankind would have remained unwritten."

CHARGES REPUDIATED.

Prof. Laura Veccia Vaglieri, an Italian lady scholar, is perhaps the greatest among all the Western admirers of Prophet Muhammad. In her book " An Interpretation of Islam," translated from Italian by Dr. A. Caselli, she has tried to dispel the various accusations and charges levelled against the Holy Prophet by some dishonest and biased writers of the Western world. Referring to the achievements of Prophet Muhammad as a Prophet she says :

domestic life, many weeks would lapse without a fire being kindled on the hearth of the Prophet... He delighted in the taste of milk and honey; but his ordinary food consisted of dates and water. Perfumes and women were the two sensual enjoyments ...Their incontinence was regulated by the civil and religious laws of the Koran, their incestuous alliances were blamed ; the boundless licence of polygamy was reduced to four......their rights both of bed and of dowry were equitably determined ; the freedom of divorce was discouraged, adultery was condemned as a capital offence and fornication, in either sex, was punished with an hundred stripes, Such were the calm and rational precepts of the legislator."

HERO AS A PROPHET.

Thomas Carlyle was one of the great admirers of Prophet Muhammad. Under the Chapter on " the Hero as a Prophet," Carlyle in his " *Hero and Hero—Worship* " has expressed his profound appreciation of the Prophet's personality.

GENERAL ASSESSMENT.

One of the most prominent biographers of the holy Prophet, Prof. W. Montogomery Watt, making a general appraisal of the holy Prophet's personality and achievements in his " *Muhammad at Medina* " reproduced almost *verbatim* his later work " *Mohammad, Prophet and Statesman* " writes:

" There was nothing inevitable or automatic about the spread of the Arabs and the growth of the Islamic community. Without a remarkable combination of qualities in Muhammad it is improbable that the expansion would have taken place, and the military potential of the Arabs might easily have spent itself

HUMAN ASPECT

A great many of the Western Scholars have been attracted by the human aspect of the Prophet's personality. G. E. Von Graunebaum, in his " *Muhammaden Festival* " has referred to this particular aspect saying :

" To himself, Muhammad was but the Messenger of the Lord, the Executor of His will. He is made of the same clay as every other man. He will die like other men. ' Mohammad is only a messenger, before him the messengers have passed away. If then he dies or is killed, will you turn your heels ? If any one turns back upon his heels, he will not harm Allah at all. (The Qur'an 3 : 144)

Similarly enumerating some of the traits of the Prophet's character, Rev. V. C. Badley, in his " *The Messenger* " has also referred to this aspect of the Prophet's qualities.

Edward Gibbon is also impressed by this shade Prophet's personality, and has in detail dealt with this characteristic feature of the Prophet's character in his " *The History of the Decline and Fall of the Roman Empire* " He writes :

" The good-sense of Muhammad despised the pomp of royalty ; the Apostle of God submitted to the menial office of the family, he kindled fire, swept the floor, milked the ewes and mended with his own hands his shoes and his woolen garment. Disdaining the penance and merit of an hermit, he observed, without effort or vanity, the alestemious diet of an Arab and a soldier. On solemn occasions he feasted his companions with rustic and hospitable plenty; but in his

HISTORICAL PERSONALITY

Some of the Western biographers of the Holy Prophet (Peace be upon him) have particularly emphasised his historical personality, as this is at least one of the many aspects in which no other Prophet can vie with him. Rev. Bosworth Smith, for example, in his "*Muhammad and Muhammadanism*" has tried successfully to prove Prophet Muhammad's superiority over all the other Prophets in this respect.

Some of the Western writers have been enamoured by the simplicity of the Prophet's life in spite of possessing both temporal and religious authority at a time. Rev. Bosworth Smith refers to this aspect of the Prophet's personality in the following Words :

"Head of the State as well as of the Church, he was Caesar and Pope in one ; but he was Pope without the Pope's pretensions, and Caesar without the legions of Caesar. Without a standing army, without a bodyguard, without the palace, without fixed revenue, if ever any man had the right to say that he ruled by a right Divine, it was Muhammad for he had all the power without its instruments and without its supports. He rose superior to the titles and ceremonies, the solemn trifling, and the pround humility of court etiquette... "Muhammad was content with the reality ; he cared not for the dressings of power. The simplicity of his private life was in keeping with his public life. 'God' says Al-Bokhari, 'offered him the keys of the treasures of the earth, but the would not accept them.'

its founder. Prof. Tor Andrae in " *Mohammad, the Man and His Faith,* "has very aptly remarked : " The concepts of the period of Enlightenment permitted ■ just estimate of Mohammad's personality. In their naive fashion the thinkers of this period after evaluated the outstanding wisdom and virtue of ancient lawgivers and founders of religions, and stressed the reasonableness of alien faiths, praising them at the expense of Christianity. De Boulainvilliers had written a Life of Mohammad with the avowed purpose of demonstrating the superiority of Islam to Christianity. He portrayed Mohammad as a wise and enlightened lawgiver, who sought to establish a reasonable religion in place of the dubious dogmas of Judaism and Christianity.

" The same attitude is expressed in Savary's translation of the Koran, which was published in 1752. He regards Mohammad as one of those unusual personalities occasionally appearing in history, who remake their environment and enlist men in their triumphant train. Savary thinks that anyone studying Mohammad's career must marvel at the achievements of which human genius is capable when circumstances are favourable."

SINCERITY OF MISSION

Joseph Schacht in his article, " *Mohammad* ", in the *Encyclopaedia of Social Sciences* has also emphasized the Prophet's sincerity of mission while delineating the various aspects of his personality.

H. A. R. Gibb, in his " *Mohammedanism,*" has alluded to the interplay of genius and environment while dealing with the ' creative personality ' of the Prophet. He looks upon the Prophet as 'a reflection of the real man.'

The " Declaration " issued by the Catholoc Church on the relationship of the Christian Church to non-Christian religions about fifteen years ago would have been received with the utmost chagrin and extreme remonstrance in the purely religious circles, if only it were issued, say half a century ago. The Vatican document is a piece of sincere desire of co-existence, as instead of perfunctory ostentations, every word of it gives a pleasant and profound satisfaction to its reader, where it says :

> " Upon the Muslims, too, the Church looks with esteem. They adore one God, living and enduring, merciful and all-powerful, Maker of heaven and earth, and Speaker to men. They strive to submit wholeheartedly even to His instrutable decrees, just as did Abraham, with whom the Islamic faith is pleased to associate itself. Though they do not acknowledge Jesus as God, they revere him as a Prophet. They also honour Mary, his Virgin Mother, at times they call on her, too, with devotion. In addition they await the Day of Judgement. when God will give each man his due after raising him up. Consequently, they prize the moral life and give worship to God, especially through prayer, alms-giving and fasting." The Document of Vaticam, London 1966, II, P. 663.

AGE OF ENLIGHTENMENT

In this age of Enlightenment, when the entire gamust of human relationship is being subjected to review and re-adjustment and new vistas of inter-communication are emerging from the ashes of anti-pathies and rivalries, a favourable change is distinctly visible in the Western outlook towards Islam and

that probably Muhammad, " the Prophet of the Religion of Islam " is the person who has been subjected to the most unjust and baseless accusations. ' It is tragic to observe that without doubt the most frequent yet roughest road along which Westerners have travelled to meet the Muslim Near East has been that of religion. Here the entail of the heritage of suspicion, misunderstanding, hostility, and even hatred has been so large that in comparatively recent times only has this highway of cultural inter-communication afforded the man of the West any true and profound understanding and appreciation of Islam as the religion of his counter-part in the Near East.

AGE OF CRUSADES

It was during the Middle Ages when an open war had ensued between Islam and Christendom that all sorts of blasphemies were invented against the Holy Prophet and a horribly distorted picture of Islam was painted by the venomous writers of the West. This hostility culminated when the storm of savage fanaticism, called the " Holy Wars " in the annals of Christendom, burst in all its fury over the firmament of Islam. The centuries of the Crusades are the most shameful and the most disastrous in the history of the West, insofar as even now with lapse of half a millenium the distrust and disgust created in the Western mind has not been entirely removed.

With the birth of the modern age, of religious tolerance and freedom of thought, a new era of research and insight has dawned upon the world, engendering a keen desire to appreciate all that is right and good in whatever quarter of the human experience and conscience.

PROPHET MUHAMMAD'S IMPACT ON THE WEST

Dr. Syed Ali Raza Naqvi

(Reader, Islamic Research Institute, Islamabad).

The personality of the Holy Prophet Muhammad, May peace be upon him,is so vigorous, penterating and transcendental that it has crossed the barriers of time and space. The passage of time has only enhanced the freshness, clarity and epth of his impact on believers as well as non-believers, while with the lapse of several centuries his image has assumed a more distinct and purified form than ever before. The impact of the character and personality of the holy Prophet in the West has been slow and gradual. In the long course of history, it has traversed a thorny path of invetrate disgust and bigotry. Through the passage of time it has undergone incredibly different vicissitudes. From the most relentless tornado of scathing criticism, in course of time, it came to assume a somewhat milder type of sympathetic and tolerant attitude. With the advent of a rational and healthy climate and the consequent mitigation of mistrust and inordinate mutual abhorence, the real impact of this great benefactor of humanity is by and by crystallising into a more definite and tangible form.

If, however, we look back at the picture of the Prophet of Islam as painted in the West a little more than a century ago, we find it full of deep shadows which fills even many an optimistic observer with despair. Roystone Pike has rightly remarked

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین

مقالاتِ سیرت

پانچویں قومی سیرت کانفرنس

۱۲-۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

۱۹، ۲۰ جنوری ۱۹۸۱ء

شعبۂ تحقیق و مراجع

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان

اسلام آباد